مئی 2020، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

www.urducouncil.nic.in

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

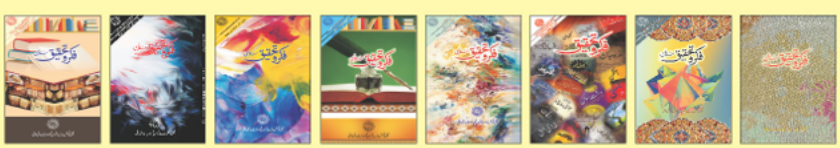

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد 8 شمارہ:05 مئی 2020

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

’بچوں کی دنیا‘ کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 1-5، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	تتلی : رنگ برنگا اڑتا پھول	ڈاکٹر بانو سرتاج	06
	سخی خانِ خاناں اور ان کے قصے	رئیس صدیقی	12
	ایسی ہے میرے ہندوستان کی عید	قمر سلیم	15
	پنگولن	انس انصاری	19
ماں پر نظمیں	میری ماں	سید بشیر احمد بشیر سولاپوری	22
	ماں	امتیاز احمد شاداں سلطان پوری	23
	ماں باپ	نور آفاق ونمباڑی	24
نظمیں	کورونا کو بھگاؤ	متین اچل پوری	25
	کمپیوٹر ہے ایک مشین	معراج احمد معراج	26
کہانیاں	عظیم انسان	سلیم سرفراز	27
	اپنا مقام بنائیے	محمد احمد دانش روانوی	30
	چاند، بڑھیا اور اڑن طشتری	منظر مظفر پوری	33
	ایک پل کی خوشی	زیب النساحیا	36
	بارش کی دعا	ارم نعیم	38
	میری امی کی زبان	ثنا اسد	40
اردو کا جادو	اردو زبان کا جادو	ادارہ	43
باتصویر کہانی	انسانیت	انیس اعظمی	44
قسط وار ناول	اَدِتّیہ سمندری لڑکا	انیتا سرن	49
کہکشاں	پیڑ کے سچے دوست	م ندیم علیگ	57
	چمن چمن کے پھول		58
ننھے فنکار	اقوال حضرت علیؓ	شبیر احمد میر	59
	بچوں کی پینٹنگ		61

آپس کی باتیں

پیارے بچو! صحت قدرت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہماری زندگی کا دار و مدار صحت اور تندرستی پر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی ہماری صحت خراب ہوجاتی ہے تو اس کا اثر نہ صرف ہماری زندگی اور دیگر مصروفیات پر پڑتا ہے بلکہ ہم پریشان ہوجاتے ہیں اور ہمارے ساتھ ساتھ گھر کے تمام لوگ بھی بے چین ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جان ہے تو جہان ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے اور ایسی چیزوں سے بچنا چاہیے جس سے ہم بیمار پڑ جائیں۔

پیارے بچو! آپ کو پتہ ہوگا کہ صحت کو نقصان پہنچانے والی بہت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہمارے والدین یا گھر کے بوڑھے بزرگ بتاتے رہتے ہیں اور ہمیں ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے بڑوں کا کہنا مان کر اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے۔

دوستو! اس وقت پوری دنیا کورونا وائرس (Covid-19) نامی ایک جان لیوا وبا سے دوچار ہے اور اس کی وجہ سے پوری دنیا میں دہشت کا ماحول پیدا ہے۔ چین سے لے کر امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی جیسے ترقی یافتہ ممالک سمیت دنیا بھر کے بیشتر ملکوں میں یہ وائرس پھیل چکا ہے اور اس کی زد میں اب تک لاکھوں لوگ آچکے ہیں جبکہ ہزاروں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے۔ دنیا بھر کے ممتاز سائنسداں اور میڈیکل ایکسپرٹس اس وائرس کا علاج تلاش کر رہے ہیں مگر انھیں کامیابی نہیں مل سکی ہے اور یہ وائرس اب تک لاعلاج ہے۔

پیارے بچو! ہمارے ملک ہندوستان میں بھی کورونا وائرس تیزی سے پھیلتا جارہا ہے اور جہاں اب تک اس وائرس سے متاثر ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے، وہیں اب تک اس کی وجہ سے کئی درجن لوگ مر بھی ہو چکے ہیں اور کرونا وائرس کو روکنے کے لیے پورے ملک میں لاک ڈاؤن کر دیا ہے۔ ایسے میں ہم سب کی ذمے داری ہے کہ اپنی، اپنے گھر و خاندان کی اور پورے ملک کے تحفظ و سلامتی کے مدنظر رکھتے ہوئے اس وائرس سے بچنے کے سلسلے میں ڈاکٹروں کے ذریعے بتائی گئی احتیاطی تدابیر پر عمل کریں۔ خصوصاً صفائی ستھرائی پر دھیان دیں۔ کپڑے سمیت اپنے استعمال کی دیگر چیزوں کو صاف ستھرا رکھیں، اپنے ہاتھ کو بار بار صابن سے دھوئیں، خصوصاً جب ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑیں تو ہاتھ کو ضرور دھولیں، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کا اہتمام کریں، اپنے چہرے پر صاف ستھرا رومال یا ماسک ضرور لگائیں، چھینک آئے تو کسی کے سامنے چھینکنے کے بجائے ایک طرف کو ہوجائیں اور منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لیں۔ سردی، زکام یا سانس لینے میں دقت ہو تو فوراً اپنے والدین اور بڑوں کو بتائیں تاکہ بروقت دوا اور علاج ہو سکے۔ بہت زیادہ خوف و دہشت کے شکار نہ ہوں، بس احتیاط برتیں۔ کورونا وائرس کی وجہ سے اسکولوں میں بھی چھٹی کردی گئی ہے، چھٹی کے ان دنوں میں جسمانی ورزش اور دیگر سرگرمیاں انجام دینے کے ساتھ اپنے پڑھے ہوئے اسباق کو دوہرائیں، دوسری کتابوں اور مفید رسائل کا مطالعہ کریں یا یوٹیوب وغیرہ پر تعلیمی ویڈیوز دیکھیں۔ اپنے وقت یوں ہی ضائع کرنے کے بجائے کام میں لائیں اور ان کا صحیح استعمال کریں۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ اپریل 2020 موصول ہوا۔ 'بچوں کی دنیا' نہ صرف پابندی سے شائع ہوتا ہے، بلکہ ہر شمارے میں آپ ایسے مضامین، افسانے، نظمیں وغیرہ شائع کرتے ہیں جنھیں بچوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھی پڑھ کر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اس شمارے میں آپ کا اداریہ معلوماتی ہے۔ سب سے پہلے تو موبائل اور نئی ایجادات کے فوائد اور نقصانات بتائے ہیں جو ہمارے لیے جاننا بہت ضروری ہے اور دوسری اور سب سے قیمتی چیز 'وقت' (Time)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندی، اردو، انگریزی اور ہر زبان کے سیکڑوں رائٹرس نے وقت سے متعلق بہت کچھ کہا ہے اور کہتے رہیں گے، لیکن ہم صرف پڑھتے اور بولتے ہیں کبھی وقت کی پابندی نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ آج ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اداریے میں بچوں کے رسائل سے متعلق بات بھی کی گئی ہے، جس کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ آج کی نسل پڑھنے، لکھنے اور مطالعہ کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی اور اس کی وجہ ہے گھر کا ماحول۔ نہ ہی آج ہمارے گھروں میں رسالے آتے ہیں، رہی بات والدین کی وہ بھی بچوں میں ادب پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا نہیں کرتے۔

مضامین میں امتیاز احمد انصاری کا مضمون 'نیند ایک عظیم تحفہ' اچھا لگا۔ تسنیم فیضی کا مضمون 'ہمالہ کی کہانی' ایک مزاحیہ اور معلوماتی مضمون ہے جو مضمون کم کہانی زیادہ ہے۔ خرم عماد کی کہانی 'بہادر لڑکے' بہت ہی عمدہ کہانی ہے جسے پڑھ کر بہادری اور ایمانداری کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس کہانی میں 'واسع' اور 'فرقان' دو کردار ہیں جو اپنی سوتیلی ماں کی وجہ سے گھر سے بھاگ جاتے ہیں، لیکن ان کی مدد کرنے کے جذبے کی وجہ سے ایک جن انھیں جادوئی غلیل دیتا ہے جس کی مدد سے وہ گاؤں والوں کو کالا دیو سے بچا لیتے ہیں اور انعام بھی پاتے ہیں جیسے ہی 'کامیاب زندگی' پڑھنا شروع کیا 'دانائی کی باتیں' کے عنوان سے صفحہ نظر سے گزرا۔ یہ ایک بہترین کوشش ہے اور اس شمارے میں مجھے سب سے زیادہ یہی کالم پسند آیا۔ ان سبھی دانشوروں کے قول بہت Motivational ہیں جنھیں میں نے بھی اپنی ڈائری پر نوٹ کر کے رکھ لیا ہے۔ منیر رحمانی کی کہانی میں کسی سے بدلہ نہ لینے کی نصیحت ملتی ہے جسے نقیب اور رامش کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔

ریحان کوثر کی کہانی 'ایک منٹ کا پرچہ' بہت خوب ہے۔ ننھے فنکار میں شریف الحق کی کہانی 'ڈاکٹر خالد' اچھی کہانی ہے۔ جسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر بچوں کی تربیت صحیح ڈھنگ سے کی جائے تو وہ بھی اس طرح کی بہترین کہانیاں لکھ سکتے ہیں۔

استوتی اگروال، اگروال جیولرز، سرونج، ایم پی

ویسے تو مجھے اردو زبان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اس بیچ جب ہمارے ملک میں لاک ڈاؤن چل رہا ہے، فرصت کے لمحات میں 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کیا۔ بہت اچھا لگا۔ 'بچوں کی دنیا' کے سبھی دانشور رائٹرس سے میں بہت متاثر ہوئی۔

الیفہ قاسمی، شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

بانو سرتاج

دوسری قسط

تتلی (Butterfly)

رنگ برنگا اڑتا پھول

تتلی کے دماغ میں عصبہ مجوّفہ (Optic Nerve)، خبروں کو لاتی لے جاتی ہے۔

تتلیوں کا دیکھنا انسان سے قطعی مختلف ہوتا ہے کیونکہ وہ الٹرا وائلٹ کرنیں (Ultra Violet Rays) بھی با آسانی دیکھ سکتی ہیں جو انسان نہیں دیکھ سکتا۔

سننا (Hearing): تتلی اپنے پروں کے ذریعے آواز سنتی ہے۔ تتلی کے جسم میں اینٹینا کی جڑ میں ایک عضو Toleration Orgnn ہوتا ہے جو تتلی کی حس توازن (Sense of Balance) کو برقرار رکھنے اور اڑنے کے دوران رخ بدلنے کا کام کرتا ہے۔

سونگھنا (Smell): تتلی کی سونگھنے کی طاقت کافی زبردست ہوتی ہے۔ پھولوں کی خوشبو سونگھ کر ہی وہ ان تک پہنچتی ہے۔

انسان اور تتلی کے سونگھنے کی حس میں کافی فرق ہے۔ تتلی کے کان تو ہوتے ہیں مگر کبھی دھڑ میں، کبھی پیٹ میں تو کبھی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔

ذائقہ (Taste): تتلی اپنے پروں سے چکھ کر ذائقہ معلوم کرتی ہے۔ اس کی حس ذائقہ انسان کے ذائقہ کی حس سے سو گنا تیز ہوتی ہے۔

لمس (Touch): تتلی کی روئیں اسے لمس کا احساس کراتی ہیں۔ اس کی لمبی بالیں لمس پذیر (Tactile) ہوتی ہیں۔

خوراک تتلیاں پیڑوں کے پتے/ پتیاں کھاتی اور پھولوں کا رس پیتی ہیں۔ الگ الگ تتلیاں، الگ الگ پیڑوں کی پتیاں/ پتے پسند کرتی ہیں، یہاں تک کہ الگ الگ وقتوں میں جیسے

لاروا اسٹیج میں الگ تو بالغ ہونے پر الگ پیڑوں کی پتیاں پسند کرتی ہیں۔ ذیل میں چند تتلیوں کے ناموں کے ساتھ ان کے پسندیدہ پیڑوں کے نام دیے جا رہے ہیں:

1	Comma	Nettle and Hops
2	Common Blue	Dogwood Flywers
3	Monarch	Milkweed
4	Sara Orange Tip	Wild Mustered
5	Red Spotted Burple	Wild Cherry
6	Piperine Swallow Tail	Pipevine Snaker Out
7	Southern Dogsace	Wild Indigo and Clove
8	Orange Barred Sulpher	fancly
9	Question Mark	Cassia and Pea Trees Elem
10	Black Swallow Tail	Passiey Carrots
11	California Sisters	Live Oak

خصوصیات (Characteristics of Butterfly)

- تتلی کے پھیپھڑے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے پیٹ سے سانس لیتی ہے۔
- مادہ تتلی، نر تتلی سے بڑی ہوتی ہے۔ نر سے زیادہ عمر پاتی ہے۔
- تتلی جو کچھ کھاتی ہے، اسے طاقت میں بدل لیتی ہے۔ ضائع نہیں ہونے دیتی۔
- تتلی صرف لال، ہرا اور پیلا رنگ دیکھ سکتی ہے۔
- تتلی گھمکڑ ہوتی ہے۔ اڑ اڑ کر دور نکل جاتی ہے۔
- تتلی تمام دن تھکے بغیر اڑ سکتی ہے۔
- تتلی صابر ہوتی ہے۔ پسند کے پھولوں کا رس پینے کے لیے ان کے کھلنے کا انتظار کرتی ہے۔
- تتلی کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ بہت کم تتلیاں ایک سال تک زندہ رہ پاتی ہیں۔
- تتلی کا دماغ بہت تیز ہوتا ہے، یادداشت عمدہ ہوتی ہے۔ دیکھنے، سونگھنے اور ذائقہ معلوم کرنے کے علاوہ جگہ پہچاننے کی بے مثال خاصیت ہوتی ہے۔ بالغ ہونے پر اکثر تتلیاں اس پیڑ پر واپس آتی ہیں جہاں وہ پیدا ہوئی تھیں۔
- تتلیوں کے علاقہ میں اگر کوئی غیر تتلی آجاتی ہے تو وہ اسے کھدیڑ دیتی ہیں۔

چند خاص تتلیاں Unique Butterflies :

دنیا کی سب سے بڑی تتلی کوئین الیگزنڈرا برڈ ونگ Queen Alexandra Bird Wing ہے۔ اس کا سائنسی نام Ornithoptera Alexandra ہے۔ اس کا نام شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی ملکہ الیگزنڈریا کے نام سے پڑا۔ اسے قوی ہیکل تتلی Giant Bird Wing بھی کہتے ہیں۔

مادہ کے جسم کا رنگ چاکلیٹ بادامی ہوتا ہے۔

پروں کا پھیلاؤ 11 سے 12 تک ہوتا ہے۔ پرندوں جیسے بڑے پر ہوتے ہیں۔

انڈے سے نکلنے اور بالغ ہونے میں تتلی کو 4 ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

یہ دیو پیکر تتلی تین ماہ تک زندہ رہتی ہے جبکہ عام تتلی ایک ماہ تک ہی زندہ رہتی ہے۔

الیگزنڈر یا تتلی Saterpiller اسٹیج کے دوران ایک زہریلے درخت پائپ وائن (Pipe Vine) کی پتیاں کھا کر زندہ رہتی ہے۔

کوئین الیگزنڈر تتلی نیوگنی کے مانسونی جنگلوں اور

Solman Island میں پائی جاتی ہے۔

دنیا کی سب سے چھوٹی تتلی ویسٹرن پگمی بلیو (Westernc Pigmi Blue) ہے۔ اس کے پروں کی چوڑائی صرف ½ (15 سے 19 ملی میٹر) ہوتی ہے۔ اس کا سائنسی نام Brephidium ہے۔ شمالی کینین (North Canyan) کے دہانے کے قریب میک فارلینڈ (Mcforland) کی چوٹی کے نیچے نظر آتی ہیں۔

مونارک (Monarch) تتلی دنیا کی سب سے تیز اڑنے والی تتلی ہے۔ اسے تتلیوں کی مہارانی (Queen of Butterflies) کہا جاتا ہے۔ یہ سیلانی تتلی ہے۔ نارنگی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ امریکہ اور میکسیکو میں پائی جاتی ہے۔

بلیو مارفیو (Blue Morpho)، دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت پروں والی تتلی ہے۔ اس کے پروں کی وسعت 8 تک ہوتی ہے۔ پر رنگ برنگے بے مثال ہوتے ہیں۔

ریڈ لیسونگ بٹر (Red Leswing Butter) تتلی، فلپنس، بھارت، چین اور انڈونیشیا میں پائی جاتی ہے۔ خوشبودار پر ہوتے ہیں۔

ڈولیاس انڈیکا (Doliyas Indica) میں مشک کی طرح خوشبو پائی جاتی ہے۔

فٹیلیرین (Fiteleriyan) تتلی جسامت میں چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کے جسم سے چندن جیسی مہک نکلتی ہے۔

بھارت کی پیارَس کنیڈیا (Piyaras Canidia) کے پروں سے مسحور کن خوشبو نکلتی ہے۔

لال پروں والی پیکاک تتلی (Peacock Butterfly) کے پروں پر نایاب کلاکاری ہوتی ہے۔ یوروپ اور ایشیا میں پائی جاتی ہے۔

شیشے جیسے پروں والی تتلی (Glass-wined Butterfly) میکسیکو پناما، کولمبیا اور فلوریڈا میں پائی جاتی ہے۔ اس کے پر 5 سے 6 سینٹی میٹر تک چوڑے ہوتے ہیں۔ اس

کے پروں کے درمیان کانچ کی طرح نازک نسیں ہوتی ہیں جن کے سبب پرشفاف(Trans parent) نظر آتے ہیں۔ پروں کے باہر کے کنارے گہرے بھورے یا نارنگی رنگ کے ہوتے ہیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے طریقے

(Safety Measures)

ننھی سی جان تتلی کے بھی لاتعداد دشمن ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ اپنی حفاظت کرلیتی ہے۔ پھر زندگی اور موت پر تو اللہ کے سوائے کسی کا اختیار نہیں۔

تتلی اپنی جان کی حفاظت کے لیے کیا کیا طریقے اپناتی ہے۔ ذرا دیکھیں:

پہلی اسٹیج انڈے دینے کی ہے۔ اس وقت تتلی پتوں کی آڑ میں اور زیادہ تر پتوں کی الٹی طرف انڈے دیتی ہے تا کہ وہ دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔

دوسری اسٹیج لاروا کی ہوتی ہے۔ اس وقت انڈوں سے نکلے لاروا(Caterphillar) بھی خود کو پتوں کے نچلے حصہ کی طرف ہی چھپاتے ہیں۔

اکثر دشمن کو سامنے دیکھ کر اور بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر تتلی اور تتلیوں کے ساتھ دائرہ میں خود کو گرا لیتی ہے۔

چھپکلیاں، تتلیوں کی جان کی دشمن ہوتی ہیں۔ اس وقت تتلی کے جسم کی ناگوار بو تتلی کی حفاظت کرتی ہے۔ چند تتلیوں کے جسم سے ایک ایسی بو نکلتی ہے جو دشمنوں کو پسند نہیں آتی۔ اس لیے وہ دور ہی رہتے ہیں۔

تتلیوں کی جان کو خطرہ

(Danger to Butterflies)

تتلیاں لگاتار کم ہوتی جا رہی ہیں۔ بھارت میں تو ان کی کئی اقسام ختم ہونے کی کگار پر پہنچ گئی ہیں۔ تتلیوں کی نسل/نسلیں ختم ہونے کے خاص خاص اسباب درج ذیل ہیں:

- گاؤں شہر میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ تتلیوں کو مناسب ماحول نہیں مل رہا ہے۔
- زراعت میں کیمیکل کھاد کا استعمال تتلیوں کی جان کا خطرہ بن رہا ہے۔
- موبائل ٹیلی فون اور ان سے نکلنے والی Radiation تتلیوں کی موت کا سبب ہے۔
- جن پھولوں اور پتیوں کو کھا کر تتلیاں زندہ رہتی ہیں، ان میں زہر شامل ہو گیا ہے۔
- بین الاقوامی بازار میں نایاب تتلیوں کو سکھا کر فروخت کیا جا رہا ہے۔

تتلیوں کو بچانے کی تدابیر (Preventive Measures):

- جراثیم کش دواؤں، کیمیکل کھاد سے پرہیز کیا جائے۔
- تتلیوں کی تجارت پر روک لگائی جائے۔
- جن ممالک (جیسے تائیوان اور تھائی لینڈ) میں تتلیوں کی تجارت بڑے پیانے پر ہوتی ہے، روک لگائی جائے۔ انسانیت(Humanitarian ground) کے نام پر اس تجارت کو ختم کرنے کے لیے تحریکیں چلائی جائیں۔
- زیادہ سے زیادہ پیڑ پودے لگائے جائیں۔ تتلیاں، پتے اور پھول کھا کر ہی زندہ رہتی ہیں... وہ نہ ہوں گے تو تتلیاں بھی نہ ہوں گی۔

تتلی میوزیم Butterfly Museum:

تتلیوں کو محفوظ کرنا ہی ان کی جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ اب وہ ڈرائنگ روم میں سجائی جاتی ہیں، گریٹنگ کارڈس پر چپکائی جاتی ہیں، بچے ان سے کھیلتے ہیں۔

اڑتے ہوئے پھولوں یعنی تتلیوں کی جان کے ساتھ یہ سلوک جائز اور مناسب نہیں ہے۔ انھیں باغیچوں میں اڑتے دیکھ کر لطف حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ہم تتلی میوزیم کہاں کہاں بنائے گئے ہیں اس کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کریں گے۔

میوزیم میں جو تتلیاں رکھی جاتی ہیں، انھیں محفوظ کرنے کا طریقہ کچھ ایسا ہوتا ہے:

- زیادہ تعداد میں تتلیاں حاصل کرنے کے لیے تتلیوں کی کھیتی کی جاتی ہے۔
- تتلیوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
- کری یے سیٹ (Creaceat) محلول میں ڈبو کر رکھا جاتا ہے۔
- محلول سے نکال کر دھوپ، خشک ہوا، چارکول، یا بجلی کی مدد سے سکھایا جاتا ہے۔
- سکھانے کے بعد گرم ہوا میں رکھا جاتا ہے۔
- گتّے پر چپکا دیا جاتا ہے۔

بنر گھٹا(Banarghatta) نیشنل پارک ، بنگلور:

سبز گھٹا نیشنل پارک ایشیا کا اکلوتا بٹرفلائی پارک (Butterfly Park) ہے۔ اس میں داخلہ کا مرکزی دروازہ تتلی کی شکل کا بنا ہوا ہے۔ یہ 2006 میں بنایا گیا تھا۔ یہاں تتلیوں کی 50 سے زیادہ قسمیں رکھی گئی ہیں۔

اس پارک کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1) تتلیوں کا گھر (Conservatory)

(2) میوزیم (Museaum)

(3) بصری وسائل کا کمرہ (Visual-aids Room)

تتلیوں کے گھر میں کئی قسموں کی لاتعداد تتلیاں جمع کر کے رکھی گئی ہیں۔ اسی حصے میں تتلی کے پیدائش کے چاروں ادوار، انڈے، لاروا، پچریا اور تتلی کی پیدائش کو دیکھا سمجھا جا سکتا ہے۔ پروجیکٹر کے ذریعہ بھی اس عمل کو سمجھایا جاتا ہے۔

یہاں تتلیوں کی پسند کے پیڑ ہیں۔ تتلیوں کے گھر کا ٹمپریچر موسم کے حساب سے بدلا جاتا ہے۔

بھارت میں چنڈی گڑھ، پونے اور سورت میں بھی تتلی میوزیم قائم کیے گئے ہیں۔

کاربٹ نیشنل پارک :

برسات کے موسم میں کاربٹ نیشنل پارک تتلیوں کا بسیرا بن جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں تتلیاں پارک کو رنگوں کے سمندر کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

یہاں نقلِ مکانی کرنے والی تتلیوں میں امیگرنٹ (Immigrent)، مارمون (Marmoon)، بلیک پنسل (Black Pencil)، کامن ٹائیگر (Common Tiger)، گراس جیول (Grass Jewel)، لیمن پنس (Lemon Pence)، کامن سیلر (Common Sailor)، کامن جیم (Common Gem) وغیرہ ہیں۔

ان کے علاوہ نایاب یام فلائی (Yam Fly) ویگرینٹ (Viagrent)، (Gap Butter Fly)، پیرس پیکاک (Paris peacock)، بلیو ایڈمیرل (Blue Admiral)،

ریڈایڈمیرل(Red Admiral)شامل ہیں۔

- Straightford Upon Heaven دنیا کا سب سے بڑا تتلی پارک ہے جس میں 582 اسکوائرفیٹ کے علاقہ میں دوہزار سے زائد اقسام کی تتلیاں رکھی گئی ہیں۔
- Nipang Butterfly Farm اپنی طرح کا تنہا فارم ہے جہاں North-East Instinte of Science and Technology قدرتی ماحول تیار کرکے تتلیوں کی کھیتی کررہا ہے۔ یہ انوکھی وادی Numligarh Refinary شہر میں ہے۔ پہاڑوں کی وادی میں 30ایکٹرزمین میں پھیلی ہوتی ہے۔ وائلڈلائف ڈویژن ہمیرپور میں بھی تتلیوں کومحفوظ رکھنے کے لیے پارک بنایا گیا ہے۔ یہاں 60نایاب قسم کی تتلیوں کو رکھا جائے گا۔ تتلیوں کے بارے میں الگ الگ ملکوں میں الگ الگ عقیدہ ہے جیسے:
- اکثرممالک میں تتلیوں کوانسانوں کاپُنرجنم ماناجاتا ہے۔
- بھارت کے آدی واسی تتلیوں میں بزرگوں کی آتماؤں کو دیکھتے ہیں۔
- چین میں تتلی کومحبت کی نشانی ماناجاتا ہے۔
- قدیم یونان میں بھی تتلیوں کو روحوں کی شکل میں دیکھا جاتا ہے۔
- جاپان میں ماناجاتا ہے کہ تتلی اگرڈرائنگ روم میں آکر بانس کی کسی چیزپربیٹھ جائے تومہمان آتے ہیں۔

■

Dr. Bano Sartaj
Opposite Akashwani Civil Lines
Chandrapur - 442401 (MS)

رئیس صدیقی

سخی خانِ خاناں اور ان کے قصے

بہت کم ہندی اور اردو جاننے والے ایسے ہوں گے جو عبدالرحیم خانِ خاناں کا نام نہ جانتے ہوں۔

عبدالرحیم خانِ خاناں، ہمایوں کے بہنوئی اور اکبر کے پھوپھا اور اتالیق بیرم خاں ترکمان خانِ خاناں کے بیٹے تھے۔

لیکن ان کے والد کو مکہ معظّمہ جاتے ہوئے راستے میں قتل کر دیا گیا اور وہ چار برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔

یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ اکبر نے بیرم خاں کی خدمات کے پیشِ نظر، رحیم کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے ذمے لے لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد اپنے بہادر باپ کے نمایاں عکس نظر آنے لگے۔

رحیم نے جنگی قواعد کسی ملیٹری اسکول میں نہیں سیکھے تھے لیکن وہ فنِ سپہ گری سے اپنی چھوٹی سی عمر میں ہی کافی واقف ہو گئے تھے۔

جب اکبر نے گجرات پر چڑھائی کی تو 'نشان لشکر' اس چودہ برس کے لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔

آگے چل کر، رحیم ایک ماہر سپہ سالار اور عربی، فارسی، سنسکرت، ترکی، برج اور اودھی زبان کے زبردست عالم نیز زبانِ ہندی کے مقبولِ عام شاعر ہوئے۔ وہ ہندی شاعروں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ گوسوامی تلسی داس سے ان کے بڑے اچھے مراسم تھے۔

ہندی میں ان کی شعری تخلیقات کا مجموعہ 'رحیم رتناولی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

رحیم اپنی خوبیوں کی وجہ سے نہ صرف عوام میں ہر دلعزیز تھے بلکہ وہ اکبر کے بھی نورِ نظر تھے۔ اکبر ان کو پدرانہ شفقت سے فرزندِ برادر اور بے تکلفی میں یارِ وفادار کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

اکبر ان کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے رحیم کو اپنے بیٹے جہانگیر کا استاد مقرر کیا۔ اس کے علاوہ اکبر نے

ان کو خانِ خاناں کے خطاب سے نوازتے ہوئے 'پنج ہزاری' منصب عطا کیا اور بعد میں 'اپنا' 'سپہ سالار اعظم' وزیر بنایا۔

یہ تھا اکبر کے نورتنوں میں سے ایک رتن عبد الرحیم خانِ خاناں کا سرسری تعارف۔

اب ہم ان کی زندگی کے پانچ ایسے قصے پیش کر رہے ہیں جو ان کی فیاضی کو ظاہر کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ سخی خانِ خاناں کہلائے:

پھل دار درخت

ایک روز خانِ خاناں اپنی مخصوص سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شریر بچے نے ان کی سواری پر ایک پتھر مارا۔ سپاہی دوڑے اور اسے پکڑ کر لے آئے لیکن رحیم نے اسے سزا دینے کے بجائے کچھ چاندی کے سکے دینے کا حکم دیا۔ اس پر سب حیران ہوئے اور بولے کہ جو سزا کا مستحق تھا، اسے آپ نے انعام سے نوازا۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ سن کر رحیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ 'لوگ پھل دار درخت پر ہی پتھر مارتے ہیں!'

توا اور پارس

ایک دن کا واقعہ ہے کہ خانِ خاناں اپنی سواری سے اتر ہی رہے تھے کہ ایک غریب بڑھیا آئی اور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے توے کو خانِ خاناں کے جسم سے رگڑنے لگی۔ سب سپاہی ارے ارے کر کے دوڑے لیکن رحیم نے ان سب کو روک دیا اور حکم دیا کہ اس بڑھیا کو توے کے برابر سونا تول کر دے دو۔

سبھی دوست اس فیصلے پر حیرت زدہ ہوئے اور بولے۔ ''یہ فیصلہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔''

اس پر رحیم نے اپنے خاص انداز میں کہا۔

یہ بڑھیا پرکھ رہی تھی کہ بزرگوں کی یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ بادشاہ اور اس کے امیر 'پارس' ہوتے ہیں اور کیا ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں!

ایک بوند آبرو

ایک روز خانِ خاناں کی سواری چلی جا رہی تھی کہ راستے میں ایک پریشان حال شخص دکھا۔ اس نے ایک شیشی میں ایک بوند پانی ڈالتے ہوئے اس شیشی کو کچھ جُھکایا۔ شیشی جھکانے پر جب وہ پانی کی بوند گرنے کو ہوئی تو اس نے شیشی کو سیدھا کر لیا۔

یہ دیکھ کر سخی رحیم اس کو اپنے ساتھ محل میں لے آئے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انعام واکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

مصاحبوں کے پوچھنے پر خانِ خاناں نے بتایا کہ ایک بوند پانی شیشی میں بھر کے شیشی کو جھکانے کا مطلب یہ تھا کہ صرف ایک بوند آبرو بچی ہے اور اب وہ بھی خطرے میں ہے!

خادم سے مصاحب

ایک دن کا واقعہ ہے کہ خانِ خاناں اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک خادم اچانک رونے لگا جو کہ اُسی روز ملازم ہوا تھا۔ خانِ خاناں کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہوں۔ آج دسترخوان پر چُنی ہوئی نعمتیں دیکھ کر مجھے اپنی امیری کا زمانہ یاد آ گیا۔

اس پر خانِ خاناں نے امتحان لینے کی غرض سے اس سے پوچھا کہ بھنے ہوئے مرغ میں سب سے اچھی چیز کیا ہوتی ہے؟

خادم نے جواب دیا۔ پوست یعنی کھلری۔

خانِ خاناں کو یقین ہوگیا کہ وہ کسی دولت مند کا بیٹا ہے۔

پس اس کو تھپتھپاتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا اور اپنے مصاحبوں میں شامل کرلیا۔

بڑا آدمی

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جہانگیر بادشاہ کسی منہ پھٹ بھاٹ کی کسی بات پر ناراض ہوگئے اور اسے ہاتھی کے پاؤں تلے کُچلنے کا حکم دیا۔

اتفاق سے اس وقت وہاں خانِ خاناں بھی موجود تھے۔

بھاٹ نے پہلے تو ان کو دیکھا پھر برجستہ بولا۔

'حضور! نواب خانِ خاناں بڑا آدمی ہے۔ اسے ہاتھی کا پیر چاہیے۔ میں تو چیونٹی سے بھی بدتر ہوں۔ میرے لیے تو چوہے کا ایک پیر ہی کافی ہے!'

اس پر جہانگیر اور زیادہ خفا ہوگئے۔ لیکن خانِ خاناں مسکرا دیے اور اس کی جان بخشی کروائی۔

اس کے علاوہ، سخی رحیم نے یہ کہتے ہوئے سونے کے سکے بھی دیے:

'اس نے مجھے بڑا آدمی سمجھا تو کہا۔ بڑا آدمی نہ سمجھتا تو کیوں کہتا بڑا آدمی!'

■

Rais Siddiqui
Bungalow No : 2, Rahat Kada
14- Green Valley Enclave
Airport Road
Bhopal - 462030 (MP)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.................................. بتاریخ..................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے 90092010045326 :A/C، IFSC: SYNB0009009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

محمد قمر سلیم

ایسی ہے میرے ہندوستان کی عید

میں عید کی نماز ادا کر کے اپنے ہاسٹل کے کمرے میں داخل ہوا۔ میرے تین ساتھی بے خبر سو رہے تھے جبکہ ایک ساتھی ہاتھ میں کتاب لیے ہوئے اونگھ رہا تھا۔ کل ہم سب کا ایناٹومی کا پیپر تھا۔ عید کی وجہ سے میں نے اپنی تیاری تقریباً مکمل کر لی تھی۔ ان کو سوتا دیکھ کر میرے اوپر بھی غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے سوچا، عید کے دن سونا! لیکن کروں بھی کیا؟ کوئی بھی تو نہیں ہے جس کے ساتھ بیٹھوں، عید کی خوشیاں مناؤں۔ یہاں اپنے وطن سے ہزاروں میل دور کس کو تلاش کروں۔ آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ کیا مزے تھے اپنے گھر، اپنے وطن میں۔ عید کا دن اور خوشیوں سے خالی۔ عید گاہ پہنچ کر ہر سمت نظریں دوڑائیں، شاید کوئی شناسا مل جائے۔ دور دور تک نظریں اپنوں کو تلاش کرتی رہیں لیکن جہاں سے جاتیں وہیں لوٹ کر واپس آ جاتیں۔ گھر سے باہر کسی دوسرے ملک میں یہ میری پہلی عید تھی۔ میں ایم بی بی ایس کے سال اول میں زیرِ تعلیم تھا۔ زیادہ لوگوں کو نہیں جانتا تھا۔ اپنے ہی کلاس کے چند ہندوستانی ساتھیوں سے مراسم تھے لیکن ان میں بھی، میں اکیلا مسلمان تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ سوچا، امی ابو کو فون کر لوں مگر یہ سوچ کر رک گیا کہ ان لوگوں کا روزہ ہے اور وہ لوگ ابھی سوتے ہوں گے۔ بستر پر لیٹ گیا لیکن اب نیند نہیں آ رہی تھی۔

میں سوچنے لگا رمضان کے پورے مہینے میں کیا ادھم مچا رہتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ رمضان سے ہی عید شروع ہو جاتی تھی۔ میں روزے پابندی سے رکھتا تھا۔ نماز، تراویح ہر چیز کی پابندی کرتا تھا لیکن میرے روزوں سے گھر کے تمام لوگوں کے دانتوں تلے پسینہ آ جاتا تھا۔ میری ایک بہت بری عادت تھی کہ جب سوتا تھا تو اٹھتا نہیں تھا اور جب اٹھ جاتا تھا تو سوتا نہیں تھا۔ آپ نہیں سمجھیں گے وہ تو صرف امی اور ابو ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پہلے روزے کے انتظار اور تیاری میں جاگتا رہتا تھا، میں

ہی نہیں، سبھی لوگ جاگتے تھے۔ عام طور سے سحری اور فجر کی نماز سے فارغ ہوکر میں پڑھنے بیٹھ جاتا تھا، کبھی کبھی سو بھی جاتا تھا۔ دوپہر میں ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتا تھا اور پھر مجھے اٹھانا امی ابو کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا تھا۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ دونوں مجھے اٹھانے کی مہم پر لگ جاتے تھے لیکن اس میں شدت افطار سے آدھا گھنٹے پہلے آتی تھی۔ امی باورچی خانے میں افطار کی تیاری کرتے کرتے متواتر چلاتی رہتی تھیں۔ 'ارے اثمر اٹھ جاؤ، اٹھو بیٹا! تم نے نماز بھی نہیں پڑھی ہے۔ اٹھ جاؤ بیٹا، میرا بہت اچھا بیٹا ہے۔' جیسے جیسے افطار کا وقت قریب آتا، امی کی آواز کی ٹون بدلنا شروع ہوجاتی۔ 'ارے اٹھنا نہیں ہے کیا؟ کوئی فائدہ نہیں ہے ایسے روزے رکھنے سے۔ نہ نماز، نہ عبادت۔' پھر تھوڑی دیر بعد ان کی آواز آتی، 'ارے، آپ بھی نہیں سن رہے ہیں۔ اسے اٹھایئے نا۔' ابو بے چارے بھی امی کے بار بار آواز دینے پر اپنے سُر چھیڑنے لگتے تھے۔ 'ارے اثمر، اٹھ کیوں نہیں رہے ہو۔ افطار کا وقت ہو رہا ہے۔ چلو اٹھو جلدی۔' وہ لوگ ایسے کہتے جیسے میں ایک سیکنڈ میں اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور حکم کی تعمیل بجالاؤں گا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں ان کے اٹھانے پر سوتا رہتا تھا لیکن کاہلی کی وجہ سے اٹھتا نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی میں ان کی ہر بات سنتا رہتا تھا۔ ان لوگوں کے اٹھاتے اٹھاتے افطار کا وقت بالکل قریب آجا تا تھا جب تقریباً 15 منٹ رہ جاتے تو ابو اٹھانے میں شدت پکڑ لیتے تھے اور میں دس منٹ پہلے اٹھتا تھا۔ تب تک وہ دونوں بے چارے اور میری بہن یسرا افطار کی سب تیاریاں کر چکے ہوتے تھے۔ میں تھوڑی دیر کے لیے پشیمان ہوتا اور ارادہ کرتا کل سے نہیں سوؤں گا، میں بھی ان لوگوں کا ہاتھ بٹاؤں گا لیکن وہی ڈھاک کے تین پات۔ دوسرے دن وہی منظر۔ اسی طرح سحری کے وقت بھی امی ابو دونوں اٹھا اٹھا کر تھک جاتے اور میں وقت سے صرف دس پندرہ منٹ پہلے اٹھتا اور جلدی جلدی سحری کرتا اور بعد میں خوب ہنستا اور ان لوگوں کو پریشان کرتا۔ ان دونوں کے روزانہ کے دو جملے تھے۔ افطار کے وقت، 'اب کل سے روزہ مت رکھنا۔' اور سحری کے وقت، 'کل سے تمھیں نہیں اٹھائیں گے۔' اس طرح رمضان کا پورا مہینہ گذر جاتا تھا اور میرے سب روزے ہوتے تھے۔ یہاں پہلے روزے سے ہی میں ڈر کے مارے سحری سے پہلے نہیں سوتا تھا۔ مجھے معلوم تھا یہاں امی ابو نہیں ہیں جو مجھے اٹھائیں گے۔ نہیں اٹھا تو بغیر سحری کے 20 گھنٹے کا روزہ رکھنا پڑے گا۔ شام میں عصر کے بعد بھی نہیں سوتا تھا اسی ڈر سے کہ آنکھ نہیں کھلی تو کیا ہوگا۔ یہاں آکر احساس ہوا۔ اللہ کا کیسا انمول تحفہ ہیں ماں باپ۔

یہی نہیں پورے رمضان ہر دن کوئی نہ کوئی یا تو گھر پر آتا تھا یا پھر یہاں افطاری بھیجنا ہے، وہاں افطاری بھیجنا ہے۔ روز ہی میری فرمائش پر امی نئی نئی ڈیشیز تیار کرتی تھیں۔ واہ! امی کے دہی بڑے، وہ ان کے طرح طرح کے پکوڑے۔ کبھی پیاز، کبھی پالک، کبھی آلو، کبھی مرچ، کبھی پنیر، کبھی بریڈ پکوڑے، کبھی چیز پکوڑے، کبھی بریڈ رول، کبھی روسٹڈ لیگ پیس۔ مجھے ہر دن ان کی کمی محسوس ہوئی ہے۔ میں نے یہاں بہت کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن صرف چھوٹے چھوٹے سموسوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ اور پھر امی کے ہاتھ کی بات کہاں۔ وہ مٹھاس، وہ محبت کہاں۔ اور ہاں، ابو کی وہ دو طے شدہ ڈشیز۔ ایک کیلے اور امرود کی چاٹ اور خوبصورتی سے تراشے

ہوئے آم۔ واہ! کیا چاٹ ہوتی تھی۔ جب امرود اور کیلے میں مصالحہ اور شکر ڈال کر ابو اسے ملاتے تھے تو دل چاہتا تھا نہ کھاؤ لیکن جب چاٹ سامنے آتی تھی تو میں انگلیاں چاٹتا رہ جاتا تھا۔ اور میری یسرا باجی کا لیمو کا شربت۔ واہ، واہ! اس کا تو جواب ہی نہیں تھا، ہر کوئی ان کی شکنجی کا دلدادہ ہو گیا تھا۔ یہاں ہر دن میں نے اپنے وطن، اپنے گھر کے رمضان کو یاد کیا ہے۔

آج عید ہے۔ میں رات بھر پڑھائی کرتا رہا، نیند کے جھونکے آ رہے تھے مگر سویا نہیں۔ اگر آنکھ لگ گئی تو نماز بھی جائے گی۔ میں فجر کی نماز سے پہلے ہی نہا کر تیار ہو گیا۔ میرا یہ معمول تھا کہ میں فجر کی نماز پڑھ کر مسجد میں ہی بیٹھا رہتا تھا اور عید کی نماز پڑھ کر ہی گھر آتا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو اپنے ابو کے ساتھ نماز کے لیے جاتا تھا لیکن بڑا ہوا تو اپنے دوست حارث کے ساتھ نماز کے لیے جانے لگا۔ عید والے دن میں ابو سے پہلے نہا کر تیار ہو جاتا تھا۔ ابو میرے کُرتے پر عطر لگا دیتے تھے۔ نکلنے سے پہلے میں امی سے سرما لگواتا تھا۔ آج بھی جب میں یہاں سے نماز کے لیے نکل رہا تھا تو بے خیالی میں آواز لگائی، 'ارے امی، سرما تو لگا دیجیے۔' میرا ساتھی جو کتاب لیے اونگھ رہا تھا چونک پڑا۔ آج تو میں نے کسی میٹھی چیز کا ایک دانا بھی منہ میں نہیں ڈالا تھا۔ امی ہر عید پر مجھے شیر کے دو چار چمچے پلا ہی دیتی تھیں۔ میں آنکھوں میں آنسو لے کر باہر نکل گیا۔ میں سوچ رہا تھا یہ کیسی عید ہے۔ عید کے معنی تو خوشی کے ہیں۔ یہ کیسی خوشی ہے نہ کسی کے ساتھ ہنس رہا ہوں، نہ گلے مل رہا ہوں، نہ شیر خورمہ ہے، نہ چنے، نہ ہی دہی بڑے اور نہ ہی کسی کو اپنا شریک بنا پا رہا ہوں۔ میری آنکھوں سے آنسو ضرور چھلک پڑے لیکن میں نے یہ خیال دل سے نکالا اور سوچنے لگا عید کا مطلب صرف اپنوں سے قربت ہی تو نہیں ہے

بلکہ عید تو اللہ کا انعام ہے۔ روزوں کا، عبادتوں کا۔ عید خوشی ہے اس بات کی کہ پورے رمضان اللہ کی قربت حاصل رہی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی تھی۔

میں نے سونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ فون اٹھا کر الارم لگانے جا ہی رہا تھا تو دیکھا امی ابو کی بہت سی مسڈ کالیں ہیں۔ فون سائلینس موڈ پر ہونے کی وجہ سے میں نے گھنٹی نہیں سنی تھی۔ میں نے جلدی سے فون ملایا۔ جان بوجھ کر ویڈیو کال نہیں کی تھی۔ امی ابو کہیں آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ لیں۔ دل مضبوط کر کے ان لوگوں سے بات کرتا رہا۔ رونا بہت آ رہا تھا لیکن اپنے اوپر قابو رکھا۔ امی ابو اور یسرا تینوں کی آوازیں بھرائی ہوئی تھیں۔ تقریباً دس منٹ بات کر کے شام کو فون کرنے کا وعدہ کر کے فون رکھ دیا اور بستر پر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مشکل سے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ کمرے کے دروازے پر کسی نے کھٹکھٹایا اور آواز دی، 'اثمر، اثمر'، کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ نہیں آواز باہر سے آ رہی تھی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ ارے یہ کیا، اندر باہر دونوں طرف آوازوں کا شور تھا۔ عید مبارک ہو اثمر، عید مبارک۔ اتنا شور۔ دروازہ کھلتے ہی میرے چاروں ساتھی بستر پر سے ایسے کھڑے ہو گئے جیسے کبھی سوئے ہی نہیں ہوں۔ سب نے ایک ایک کر کے مجھ سے عید ملی۔ میرے ساتھیوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ سامان تھا۔ پبن داس کولکاتا کے رس گلے لایا تھا، الفانسو ڈیسوزا اِڈلی لائی تھی۔ شبھم دلی کی برفی، اسرا نے کشمیری طرز کا شیر خورمہ بنایا تھا۔ مانیہ دہی بھلے بنا کر لائی تھی، نیتو سنگھ چھولے بھٹورے لے کر آئی تھی۔ میرے روم میں اجیت بھوپال سے تھا، سُوپنیل اکولہ سے تھا، تنیش کوٹہ سے اور ساگر الہ آباد سے۔ ہم سب لوگوں نے روم پر ہی عید منائی۔ دوپہر میں ہمارے سینیر ندیم بھائی نے حیدر آبادی بریانی بنائی۔ دوپہر بعد ہم لوگ گھومنے نکلے۔ میں نے ان سب سے کہا بھی، 'کل امتحان ہے تم لوگ اپنی تیاری کرو، گھومنے بعد میں جائیں گے۔' سب ایک آواز ہو کر بولے، 'آج کچھ نہیں، آج صرف عید منائیں گے۔' ایسی ہے میرے ہندوستان کی عید۔

■

Mohd Qamar Saleem
Flat No: 3, Atmashanti CHS,
Plot No: 33, Sector-3, Vashi
Navi Mumbai- 400703
Mob.: 09322645061

انس انصاری

پینگولن

پینگولن (جسے چیونٹی خور بھی کہا جاتا ہے) ایک ایسا جانور ہے جس کے جسم پر بڑے بڑے سخت چھلکے ہوتے ہیں اور یہ اس قسم کے چھلکے رکھنے والا واحد ممالیہ ہے۔ (ممالیہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں) اپنی سخت اور عادات کے اعتبار سے یہ جانور اللہ کی تخلیق کا شاندار اور دلچسپ شاہکار ہے۔

پینگولن فولی ڈوٹا (Pholidota) سلسلے کا ایک ممالیہ جانور ہے اس کا تعلق جانوروں کے خاندن 'مانی ڈائی' (Manidae) سے ہے۔ اس کی آٹھ قسم کی نسلیں پائی جاتی ہیں۔ چار نسلیں براعظم افریقہ میں اور چار نسلیں براعظم ایشیا میں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی پینگولن پایا جاتا ہے جنھیں انڈین پینگولن کہا جاتا ہے۔ اس کا نام اسے مالے زمان کے لفظ 'پینگولنگ' سے ملا ہے جس کا مطلب ہے کوئی ایسی چیز جو اپنے آپ کو لپیٹ سکتی ہے۔

جسمانی طور پر پینگولن کی شکل ایسی ہوتی ہے جیسے کسی بہت بڑے نیولے کے جسم پر بڑے بڑے سخت چھلکے نکل آئے ہوں۔ یہ چھلکے ایک مادّے 'کیراٹن' (Keratin) سے بنے ہوئے ہیں۔ اسی کیراٹن سے ہماری انگلیوں کے ناخن بھی بنے ہوتے ہیں۔ اس کے جسم کے چھلکے بے وجہ نہیں ہوتے بلکہ یہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ خطرہ محسوس ہونے پر یہ جانور اپنے جسم کو لپیٹ کر ایک گولا سا بنا لیتے ہیں اور پتھریلے چھلکوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ چھلکے ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہوجاتے ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ اس کا جسم زرہ بکتر میں چھپ گیا ہو اور یہ اتنے تیز دھار ہوتے ہیں کہ اضافی دماغ کا کام کرتے ہیں۔ یہ پینگولن کی انوکھی خصوصیت ہے۔

اگر پینگولن کا سامنا کسی گوشت خور شکاری جانور سے ہو اور وہ فرار کی پوزیشن میں نہ ہو تو وہ فوری طور پر خود کو پتھر کے گولے میں تبدیل کرلیتا ہے اور یوں اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

پینگولن کے اگلے پاؤں خاصے لمبے ہوتے ہیں۔ یہ چلنے کے لیے زیادہ استعمال نہیں ہوتے۔ چلنے کے لیے یہ زیادہ تر پچھلے پاؤں استعمال کرتا ہے جن کے پنجوں میں تیز دھار ناخن

ہوتے ہیں۔ان ناخنوں کے ذریعے یہ زمین کھودتے ہیں اور کیڑے مکوڑے، دیمک اور چیونٹیاں نکالتے ہیں۔ اس کی زبان خاصی لمبی اور پتلی ہوتی ہے جو اس کے معدے تک جاتی ہے۔ بڑے پینگولن تو سولہ انچ تک اپنی زبان کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔اس طریقے سے یہ دور سے ہی کیڑے مکوڑوں کو پکڑ لیتے ہیں۔

اس انوکھے جانور کی کچھ قسمیں کھوکھلے درختوں میں بھی رہتی ہیں جبکہ زمین پر رہنے والی اقسام کے جانور خرگوش کی طرح زمین میں سرنگیں کھود کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ پینگولن اچھے تیراک بھی ہوتے ہیں۔ان کے منہ میں دانت نہیں ہوتے اور نہ ہی چبانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے بجائے یہ زمین کو کھود کر یا حشرات کے بلوں میں اپنی لمبی زبان ڈال کر ان کیڑوں مکوڑوں کو وہیں سے اچک لیتے ہیں اور سیدھے اپنے پیٹ میں لے جاتے ہیں۔ پینگولن کے سینے پر مخصوص غدود ہوتے ہیں جن سے ایک لیس دار مادہ نکلتا ہے۔ یہ اس لیس دار مادے کو وقفے وقفے سے اپنی زبان پر لگاتے ہیں جن سے کیڑے دیمک اور چیونٹیاں وغیرہ ان کی زبان سے چپک جاتے ہیں۔ درختوں پر رہنے والے پینگولن درختوں کے سوراخوں میں موجود کیڑے مکوڑے کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔

پینگولن ایک شبینہ (Noctuinal) جانور ہے۔ (شبینہ جانور جو عام طور پر رات کو ہی باہر نکلتے ہیں اور اپنی خوراک تلاش کرتے ہیں مثلاً چمگادڑ، چوہا، کاکروچ، جھینگر وغیرہ وغیرہ) ان کی سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ رات میں پتہ کر لیتے ہیں کہ کیڑے مکوڑے کہاں ہیں۔

افریقی نسل کی مادہ پینگولن عام طور پر ایک ہی بچے کو جنم دیتی ہے جبکہ ایشیائی نسل کی مادہ ایک وقت میں ایک سے تین بچے تک دے سکتی ہے۔ پیدائش کے وقت بچے کا وزن 80 گرام سے 450 گرام تک ہوسکتا ہے جبکہ ان کے چھلکے ابتدا میں بہت نرم ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے اپنی ماں کی دم کے ساتھ لٹک جاتے ہیں۔

پینگولن کا شمار ان دو چار ممالیہ جانوروں کی فہرست میں ہوتا ہے جن کے وجود کو خطرہ ہے کیونکہ ان کی نسل شدید

خطرات سے دوچار ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جنگلوں کی کٹائی سے ان کے قدرتی ٹھکانے ختم ہورہے ہیں اور دوسری طرف جہاں شیر بھی پینگولن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا وہیں انسان اس جانور کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ پینگولن پتھر کے گولے میں تبدیل ہوکر شیر اور دوسرے گوشت خور جانوروں سے تو بچ جاتا ہے لیکن یہ اس کا زرہ بکتر انسان سے بچا نہیں پاتا۔

افریقہ کے مختلف حصوں میں اس کا شکار کیا جاتا ہے اور کھایا جاتا ہے۔ ویتنام اور چین کے بہت سے علاقوں میں اس کی بہت مانگ ہے کیونکہ وہاں پر اس کا گوشت بہت لذیذ اور مقوی سمجھا جاتا ہے اور اس کے چھلکے کو بھی دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایشیا کے کئی ممالک میں اس کے گوشت اور چھلکوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ اعصابی قوت بڑھاتے ہیں اور کینسر یا دمہ کے علاج میں موثر ہے۔

یہ بے ضرر جانور دنیا میں سب سے زیادہ اسمگل کیا جانے والا ممالیہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال ایک لاکھ پینگولن چین اور ویتنام میں اسمگل کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ پینگولن کی نسل کو بچانے کے لیے اس کی بین الاقوامی تجارت پر پابندی ہے لیکن اس کے باوجود غیر قانونی تجارت جاری ہے۔ اس نایاب اور بے ضرر جانور کی بقا کے لیے مختلف تنظیمیں کام کررہی ہیں۔

■

Anas Ansari
House No 16, Survey No 374
Madina Park Near Masood Masjid
Firdos Nagar
Dhule - 424001 (Maharashtra)

جوابات

سید بشیر احمد بشیر سولاپوری

میری ماں

ہر ادا سے عیاں محبت ہے
ماں مری سب سے خوبصورت ہے
دیکھ کر ماں جو مسکراتی ہے
میرے دل میں اتر ہی جاتی ہے
کتنی الفت سے وہ پکاتی ہے
خود سے پہلے مجھے کھلاتی ہے
ضد میں کرتا ہوں تو مناتی ہے
اچھی باتیں مجھے سکھاتی ہے
سردیوں سے مجھے بچاتی ہے
اپنے آنچل میں ماں چھپاتی ہے
ماں کی گودی پہ سر جو رکھتا ہوں
میں ہوں جنت میں یہ سمجھتا ہوں

مجھ کو اسکول چھوڑ جاتی ہے
وقت پر لینے لوٹ آتی ہے
پڑھنا لکھنا مجھے سکھاتی ہے
کام اسکول کا کراتی ہے
فکر میری ہی ماں کو رہتی ہے
زندگی ماں کے دم سے میری ہے
یہ جہاں سارا ماں سے روشن ہے
گھر مہکتا ہوا سا گلشن ہے

■

Syed Bashir Ahmed Bashir
Darus Salam Residency
7th Floor, 708, Near Pangal
Urdu High School
Siddheshwar Peth, Solapur - 413001 (MS)

امتیاز احمد شاداں سلطان پوری

ماں

سارے عالم میں ہر شے سے بڑھ کر ماں کی عظمت ہے
رب کی نعمت میں ماں نعمت سب سے اعلیٰ نعمت ہے
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

ماں خوش ہے تو رب بھی خوش ہے ماں ہے خفا تو رب بھی خفا
ماں کی رضاجوئی سے پیارے تیری دنیا جنت ہے
ماں کی خوشنودی ہی میں ہے رب دوعالم کی بھی رضا
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

بچے کو سوکھے میں لٹائے اور خود گیلے بستر پر
بچے کی راحت ہی سب سے بڑھ کر ماں کی چاہت ہے
دیکھ کے بچے کی بے چینی شب بھر جاگتے بستر پر
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

بچپن میں وہ جس کی مائیں اس دنیا کو چھوڑ چلیں
پوچھو ان معصوموں سے کیا ماں کی قدر و قیمت ہے
ننھے منھے معصوموں سے ہر اک ناتا توڑ چلیں
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

ماں کی آنکھ سے ٹپکا آنسو لعل و گہر سے بہتر ہے
وہ انمول رتن ہے جس کا کوئی مول نہ قیمت ہے
کہنے کو تو اک قطرہ ہے پر وہ رشکِ سمندر ہے
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

ماں کے آنچل کے سائے میں ہم مسرور و شاد ہوئے
ماں کے سائے میں رہ کر کس درجہ سکون و راحت ہے
ماں کی میٹھی لوری سن کر ہر غم سے آزاد ہوئے
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

دل سے ماں کی قدر کرو اور ماں کا حکم بجا لاؤ
ماں کی فرماں برداری بھی شاداں عین عبادت ہے
اس نیکی کو عام کرو اور گوشہ گوشہ پھیلاؤ
ماں ایسی ہستی ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے

■

Imtiyaz Ahmad Shadan Sultanpuri
MA, Bhatti Jarauli
Katavan,
Sultanpur, UP

نور آفاق وانمباڑی

عظمت کے دو مینار
ماں باپ

کہا مانیے اپنے ماں باپ کا *** رہے گا زمانے میں نام آپ کا
اگر یہ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم *** انھوں نے ہی رکھنا سکھایا قدم
یہ ان کا کرم ہے کہ پالا ہمیں *** دیا علم اچھا، سنبھالا ہمیں
اِنھی سے ملی ہے ہمیں ہر خوشی *** انھی سے ہے پرکیف یہ زندگی
ہے لازم کہ ہم ان کی خدمت کریں *** دل و جاں سے ان کی اطاعت کریں
ذرا سی بھی سختی نہ ہو ان کے ساتھ *** کریں ان سے، نرمی سے ہر ایک بات
رہے یاد، یہ بے سہارے نہ ہوں *** کسی وقت، یہ غم کے مارے نہ ہوں
جو روٹھیں تو ان کو منا لیجیے *** انھیں ٹوٹنے سے بچا لیجیے
بڑی نیک، بے شک وہ اولاد ہے *** جسے پیار ماں باپ کا یاد ہے
جو ماں باپ کا دل دُکھاتے نہیں *** وہ دنیا میں تکلیف پاتے نہیں

دعا جس کو، ماں باپ کی مل گئی
اُسے نور سچی خوشی مل گئی

■

Noor Afaq
2/153, O P Street
Jafarabad Post, Vanambari
Distt: Vellore (Tamil Nadu)
Cell: 09344534174

متین اچل پوری

نظم

کورونا کو بھگاؤ

جانو مزاج اپنا
پانی علاج اپنا

دیں سب کو ہم یہ بتلا
کر دے یہ خون پتلا

کل پانی، آج پانی
پہلا علاج پانی

کثرت سے ہاتھ آئی
یہ مفت کی دوائی

باغ اور بَن کی خاطر
جان اور تن کی خاطر

کورونا کو بھگائے
ہوں دور غم کے سائے

یہ خون کی ضرورت
چمکائے اپنی صورت

سب کو ملا ہے پانی
مولا کی مہربانی

■

Mateen Achalpuri
Opp. Masjid, Akbari Chowk,
Biyabani, ACHALPUR-444806
Distt.Amravati(MS)

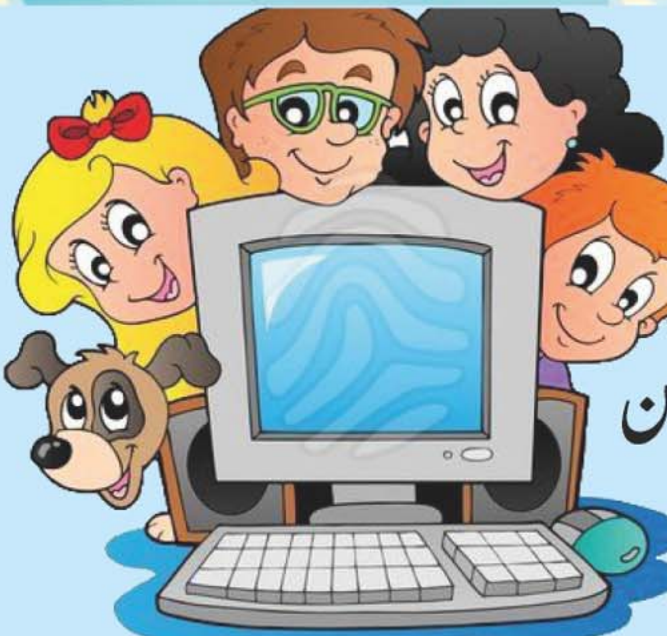

کمپیوٹر ہے ایک مشین

بات یہ کر لو ذہن نشین
کمپیوٹر ہے ایک مشین
اس کے بھی کچھ حصے ہیں
اس میں آلے پرزے ہیں
ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر
اس کو بناتے ہیں بہتر
یہ سب کام کرے تنہا
سامنے رکھ دے یہ دنیا
رات کا عالم ہو یا دن
اس کے لیے سب کچھ ممکن
خبر رسانی اس کا کھیل
پل میں بھیجے یہ ای میل
روگ کی یہ تشخیص کرے
اسکولوں کی فیس بھرے
اس سے بس میں ہو روبوٹ
چھاپ دے پل میں نقلی نوٹ
حل کردے یہ سخت حساب
اس میں ہے محفوظ کتاب
راز یہ مجرم کے کھولے
وزن یہ ایٹم کے تولے
کمپیوٹر ہے اک فنکار
یہ تو بنا دے نقش و نگار
مثبت و منفی اس کے کام
یہ اپنے مالک کا غلام
ہو جو مثبت استعمال
کردے جہاں کو یہ خوش حال

■

Meraj Ahmad Meraj
At: Nichugram, PO: Kulti
Distt: West Burdwan - 713343 (West Bengal)

عظیم انسان

شکیل اپنے گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اداس اور ناراض۔ آج پھر اس کے گھر میں چولہا نہیں جلا تھا۔ جلتا بھی کیسے؟ گھر کے اندر اس کی بیوی بیمار پڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاس جو تھوڑے سے پیسے تھے وہ اس کی دواؤں میں ہی خرچ ہو گئے تھے۔ اب تو وہ بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اس نے دیوار سے اپنا سر ٹکا کر بے چارگی سے آنکھیں موند لیں۔ بند آنکھوں میں گزرے ہوئے زمانے کی یادیں ابھر آئیں۔ اس کے بچپن کا زمانہ۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ ماں باپ کے بیجا لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بے حد ضدی اور شرارتی ہو گیا تھا۔ کھانے پینے کی کمی نہ تھی اور کھیلنے کودنے کی آزادی تھی، اس لیے اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے پڑھنے کے لیے ایک پرائمری اسکول میں داخل کرایا گیا تھا لیکن وہاں بھی وہ پڑھائی سے زیادہ شرارتوں میں ہی مشغول رہتا تھا۔ اپنے ہم جماعت بچوں کو تنگ کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ سب سے زیادہ لطف تو اسے احمد کو چھیڑنے اور مذاق اڑانے میں آتا تھا۔ احمد کے پاؤں میں پیدائشی نقص تھا جس کے سبب اسے چلنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ بے حد دشواری سے کچھ اچھل اچھل کر چلتا تھا۔ اس کی چال دیکھ کر شکیل نے اس کا نام 'مینڈک' رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی موقع ملتا اسے مینڈک، مینڈک کہہ کر چڑھاتا اور اپنے اس عمل پر بہت خوش ہوتا۔ اس کے چڑھانے سے احمد کے معصوم چہرے پر غم کی پرچھائیاں ابھر آتی تھیں۔ لیکن شکیل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حیرت کی بات تھی کہ احمد دوسرے بچوں کی طرح استادوں سے اس کی شکایت بھی نہیں کرتا تھا۔ دوسرے بچے اس کے اچھے تن و توش کو دیکھ کر اس سے لڑنے کی ہمت تو نہیں کرتے لیکن استاد سے شکایت ضرور کرتے اور اسے اکثر ڈانٹ پڑتی۔ احمد پاؤں میں نقص ہونے کے باوجود پڑھنے میں بہت ذہین تھا۔ استاد اس کی تعریف کرتے۔ یہ بات شکیل کو کچھ زیادہ ہی ناگوار گزرتی اور وہ کچھ زیادہ اس کا مذاق اڑانے لگتا۔ وہ خود بڑا صحت مند اور تندرست تھا اس لیے اپنے مقابلے میں اس دبلے پتلے اور لنگڑے لڑکے کو بہت کم تر سمجھتا تھا۔ پہلے سے چوتھے درجے تک اس کا یہی رویّہ برقرار رہا بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی شرارتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا تھا۔ پرائمری اسکول کی تعلیم سے وہ کسی طرح فارغ ہوا تو اس نے آگے پڑھنے سے انکار

کر دیا۔ والدین نے بے حد کوشش کی، زور زبردستی کی لیکن وہ تو بلا کا ضدی تھا۔ ایک بار ضد پکڑ لی تو پھر ٹس سے مس نہیں ہوا۔ تھک ہار کر والدین نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اسکول چھوٹا تو وہ بالکل آزاد ہو گیا۔ دن بھر آوارہ گردی کرتا، لڑکوں سے لڑتا جھگڑتا، کسی کو مارتا تو کسی سے مار کھاتا۔ آہستہ آہستہ وہ غلط صحبتوں میں پڑتا گیا اور ان کے ساتھ اور بگڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پندرہ سولہ سال کی عمر ہوتے ہوتے نشے کی لت لگ گئی اور اس کی صحت تیزی سے خراب ہونے لگی۔ باپ نے بیٹے کی بربادی کا حال دیکھا تو صدمہ برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے چپکے سے آنکھیں موند لیں۔ اکیلی ماں بے چاری اسے کہاں تک سنبھال پاتی۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کی شادی کر دی جائے۔ سر پر ذمہ داری آنے سے ممکن ہے کہ سدھر جائے۔ اسی امید پر ایک غریب گھر کی شریف لڑکی سے اس کی شادی بھی کر دی گئی لیکن بری عادتیں اتنی آسانی سے کہاں چھوٹتی ہیں۔ شادی کے بعد صرف اتنی تبدیلی آئی کہ وہ پیٹ پالنے کے لیے ادھر ادھر محنت مزدوری کرنے لگا۔ کسی طرح کچھ دن گزرے کہ ماں اپنی آنکھوں میں بیٹے کے سدھرنے کی حسرت لیے دنیا چھوڑ گئی۔

''کیا بات ہے شکیل؟ کس سوچ میں گم ہو؟''

ایک آواز کانوں میں پہنچی تو اس کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے اس کا پڑوسی رحمت کھڑا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک تھیلا جھول رہا تھا جس میں کچھ سامان موجود تھا۔

''نہیں! کوئی خاص بات نہیں!'' اس نے دھیرے سے کہا۔ ''تم کہاں سے آرہے ہو؟''

''میں راشن کی سرکاری دکان سے آرہا ہوں۔ آج لال کارڈ والوں کو غلّہ ملنے کا دن تھا''۔

''لال کارڈ''......''؟ شکیل کی آواز میں الجھن تھی۔

''ارے بھئی......! تمھیں نہیں معلوم کہ سرکار غریبوں کو بے حد کم قیمت پر اناج دیتی ہے۔ اسے لینے کے لیے ایک کارڈ بنانا ضروری ہوتا ہے جو بی۔ پی۔ ایل کارڈ یا لال کارڈ کہلاتا ہے۔ کیا تم نے یہ کارڈ نہیں بنوایا''؟ رحمت نے پوچھا۔

''نہیں تو''......شکیل نے افسوس سے کہا۔ ''یہ کارڈ کیسے بنتا ہے''؟

''اپنے علاقے کا کاؤنسلر ہی بنوا دیتا ہے''۔ رحمت نے جواب دیا۔

''میں تو کاؤنسلر صاحب کے پاس دوسرے کام سے کئی بار گیا ہوں لیکن وہ تو سیدھے منھ بات بھی نہیں کرتے۔ کارڈ کیا بنوا دیں گے''۔

تو پھر ایسا کرو کہ تم ایس۔ ڈی۔ او صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ میں نے سنا ہے کہ نئے ایس۔ ڈی۔ او صاحب آئے ہیں جو بہت رحم دل اور غریب پرور ہیں۔ ان سے درخواست کرو گے تو جلد ہی کارڈ بن جائے گا۔''

شکیل نے دوسرے ہی دن پڑوسی کے مشورے پر عمل کیا اور پتہ ٹھکانہ معلوم کر کے ایس۔ ڈی۔ او صاحب کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا۔ اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی کچھ دوری پر ایک بڑی میز تھی۔ اس کے پیچھے کرسی پر ایک جوان اور خوش شکل شخص بیٹھا تھا اور میز پر رکھی فائلیں دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پا کر اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ شکیل نے بھی اسے غور سے دیکھا اور یکا یک چونک پڑا۔ حالانکہ برسوں گزر گئے

تھے لیکن اسے پہچاننے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ شخص وہی احمد ہے جو اس کے ساتھ بچپن میں پڑھتا تھا۔ اسے اپنی وہ تمام شرارتیں اور بدتمیزیاں بھی یاد آگئیں جو اس کے ساتھ کرتا رہا تھا۔ وہ نہایت شرمندہ ہوا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو شکیل؟'' پیچھے سے آواز ابھری تو اس کے قدم رُک گئے۔ تو اس نے بھی اسے پہچان لیا۔ اس نے پشیمان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور میز کے قریب چلا آیا۔ اس نے عاجزی سے کہا۔

''مجھے معاف کردیجیے۔ میں نے بچپن میں آپ کے ساتھ بہت زیادتیاں کی تھیں۔ میں آپ کا مجرم ہوں۔''

''تم میرے مجرم نہیں ہو دوست۔ بلکہ میرے محسن ہو''۔ احمد نے اسے حیران کیا۔ ''میں تمہیں کبھی نہیں بھولا۔ جانتے ہو تم جب بھی مجھے چڑھاتے تھے، میرے قدرتی نقص کا مذاق اڑاتے تھے تو میرے عزم و حوصلے میں اور اضافہ ہوتا تھا۔ میرا یہ ارادہ اور بھی پختہ ہو جاتا تھا کہ مجھے خوب دل لگا کر پڑھنا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے اور پھر کسی اونچے عہدے پر پہنچنا ہے۔ اللہ نے میری مدد کی اور مجھے اس لائق بنایا۔ آج لوگ میرے نقص کو بھول کر میری عزت کرتے ہیں۔ خیر تم سناؤ۔ تمہارے کیا حال ہیں؟''

''مجھے اپنی صحت اور طاقت کے غرور نے کہیں کا نہیں رکھا۔'' شکیل کے لہجے میں اداسی تھی۔ ''میں بھول گیا تھا کہ ہر نعمت اللہ کی دین ہے۔ اس پر فخر نہیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے آج میرے پاس صحت ہے نہ اعلیٰ تعلیم۔ کسی طرح محنت مزدوری کر کے زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔''

احمد اپنی کرسی سے اٹھا اور بچپن کی طرح ہی لنگڑاتا ہوا اس کے پاس چلا آیا۔ آج اس کی چال پر شکیل کا دھیان ہی نہیں گیا کیونکہ اس کے افسرانہ رعب کے آگے اسے اپنی آنکھیں اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ احمد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے کہا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ اگر تم زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تو کچھ اور سوچتا۔ فی الحال میرے دفتر میں ایک چپراسی کی جگہ خالی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں وہ ملازمت دلوا سکتا ہوں۔ دیکھو! کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ سرکاری نوکری ہوگی۔ اچھی تنخواہ ملے گی''۔

''آپ......آپ فرشتہ ہیں''۔ شکیل کی آواز بھرّا گئی اور وہ بے ساختہ احمد کے قدموں پر جھک گیا۔ احمد نے جلدی سے اسے سیدھا کیا اور کہا۔

''تم ایک بار پھر غلطی کر رہے ہو۔ انسان کو صرف اللہ کے آگے جھکنا چاہیے۔''

اس نے شکیل کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ شکیل نے اس اپاہج لیکن عظیم انسان کے سینے کی گرمی کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔ انسان میں عزم و حوصلہ ہو تو وہ مشکل سے مشکل کام بھی کر سکتا ہے۔ اس نے پختہ ارادہ کیا کہ آج سے وہ اپنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے گا اور اپنی زندگی کو نئے سرے سے سنوارنے کی کوشش کرے گا۔

■

Saleem Sarfaraz
J.N. Pharmacy, K.T. Road,
Asansol - 713302 (W.B.)
Mob: 9378291891

محمد احمد دانش روانوی

کہانی

اپنا مقام بنائیے

پیارے بچو! ایک بار ایک راجہ نے اپنے وزیر جو انسان کی خوبیوں کو پرکھنے میں ماہر تھا سے کہا کہ میرے لیے ایک ایسا ملازم تلاش کرکے لائیے جو باصلاحیت ہو، محنتی ہو، لگن اور ایمانداری سے کام کرنے والا ہو۔ اُسی دن سے وزیر نے ایک ایسے نوجوان کو تلاش کرنا شروع کردیا جس میں اوپر بیان کی ہوئی خوبیاں موجود ہوں جس کی ملازمت کے لیے بادشاہ کو تلاش تھی مگر اتنی خوبیوں کا مالک نوجوان جسے بادشاہ کی ملازمت کے لیے پیش کیا جاسکتا تھا ایک دم کہاں ملتا ہے۔ ایسے ملازم کے ملنے میں وقت لگ ہی جاتا ہے۔ کافی وقت کے بعد وزیر کو ایسا نوجوان ٹکرایا جس میں اوپر بیان ہوئی خوبیاں موجود تھیں۔ وزیر نے نوجوان کو اپنی تلاش اور مقصد سے روبرو کرایا تو پتہ چلا کہ یہ نوجوان پہلے ہی سے ایک جگہ ملازمت کرتا ہے مگر پھر بھی نوجوان محل کی ملازمت کے لیے تیار ہوگیا۔

نوجوان کو لے کر وزیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ آپ کو جیسے ملازم کی تلاش تھی میں ڈھونڈ کر لے آیا ہوں، حاضر خدمت ہے۔ اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اس لیے بادشاہ کو اس وقت یاد ہی نہ رہا کہ بادشاہ نے وزیر سے کس کام کے لیے ملازم تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ بادشاہ نے کہا مجھے تو اس وقت کچھ یاد نہیں آرہا ہے اور ہمارے پاس فی الحال کوئی کام بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی جب آپ اس نوجوان کو لے ہی آئے ہیں تو ہم اپنے دفتر میں چپراسی کی پوسٹ پر اسے رکھ لیتے ہیں۔

بادشاہ کے اس جواب اور روکھے پھیکے رویے پر اگرچہ وزیر کو مایوسی ہوئی لیکن نوجوان ملازمت کے لیے راضی ہوگیا۔ نوجوان نے سوچا اگرچہ یہ ملازمت اس کی صلاحیتوں کی سطح پر سے کافی کمتر ہے مگر بادشاہ کے یہاں اس چھوٹی پوسٹ پر بھی کام کرتے ہوئے مجھے اپنی محنت لگن اور صلاحیتوں کے سبب آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔ الغرض نوجوان نے اس ملازمت

کو قبول کرلیا۔ اگلے روز نوجوان کو بادشاہ کے دفتر میں بھیج دیا گیا۔ نوجوان نے گہرائی کے ساتھ دفتر کا معائنہ کیا۔ دفتر کیا تھا اپنی بوسیدگی، گندگی کے لحاظ سے ویرانی کا نقشہ پیش کررہا تھا۔ دروازے، کھڑکیاں اور فرنیچر سبھی دھول اور گرد سے اَٹے ہوئے تھے۔ فرنیچر دیمک لگ جانے کے سبب ٹوٹ چکا تھا کونوں میں مکڑی کے جالے لٹک رہے تھے۔ نوجوان نے محنت سے دفتر کی صفائی کی۔ نوجوان نے سوچا کہ کیسے دفتر کی موجودہ حالت کو بدلا جائے کس طرح اس کے سدھار اور تعمیر کے لیے فنڈ مہیا کیا جائے؟ یکا یک نوجوان کی نظر دفتر کے اندر بند پڑی ایک اور کوٹھری پر پڑی۔ نوجوان نے اس کوٹھری کو کھول کر اس کا بھی بغور معائنہ کیا۔ کوٹھری کے اندر چند بورے رکھے ہوئے تھے جو رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ نوجوان نے بوروں کے منہ کھولنے کا فیصلہ کیا کہ دیکھا جائے ان کے اندر کیا چیز رکھی ہوئی ہے؟ نوجوان نے جیسے ہی بوروں کو کھول کر فرش پر پلٹا

تو ان میں سے لفافے برآمد ہوئے۔ یہ لفافے ان دعوت ناموں کے تھے جو بادشاہ کو دوسرے ملک کے بادشاہوں، نوابوں، رئیسوں کے یہاں ہونے والی تقریبات اور فنکشن میں شرکت کرنے کے لیے بھجوائے گئے تھے۔ ان شاہی لفافوں پر جو پچی کاری سجاوٹ اور بیل بوٹے بنائے گئے تھے وہ سونے چاندی کے تھے۔ ان کے اوپر قیمتی موتی بھی جڑے ہوئے تھے۔ نوجوان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے سوچا، کیوں نہ ان قیمتی چیزوں کو لفافوں سے چھڑا کر انھیں فروخت کردیا جائے اور اس سے حاصل رقم سے دفتر کی حالت سدھاری جائے۔ نوجوان نے سوچا کہ اس کے ذہن نے اسے جو پلان سجھایا ہے وہ بڑا قیمتی ہے۔ اس منصوبے پر عمل کر کے دفتر کو عالی شان بنایا جاسکتا ہے مگر اس تمام عمل میں اسے احتیاط برتنا بھی بہت ضروری ہے کہ کہیں اس کی ایمانداری اور ساکھ پر بٹا نہ لگ جائے۔ اس نے لفافوں سے ان قیمتی چیزوں کو چھڑانے کے لیے ایک نوکر رکھ لیا۔ نوکر جب لفافوں سے ان قیمتی چیزوں کو الگ کر چکا تو اس نے اس نوکر کے ہمراہ ہی بازار کا رخ کیا۔ نوجوان جوہری کی دوکان پر پہنچا اور اس نے ان چیزوں کو وہاں فروخت کردیا اور اس کی ایک تحریری رسید بھی لے لی۔ لفافوں سے ہٹائی گئی ان قیمتی چیزوں کو بیچ کر جو رقم حاصل ہوئی تھی اس سے نوجوان نے فرنیچر کی مرمت کرائی۔ کھڑکی اور دروازوں کو درست کرایا۔ کھڑکیوں پر قیمتی اور خوبصورت پردے لگوائے۔ ضروری تصاویر اور گل دانوں سے دفتر کو خوبصورت اور پرکشش بنایا۔

اب دفتر واقعی میں ایک شاہی دفتر کی طرح لگ رہا تھا۔ دفتر کے ملازموں کو اس کی محنت اور صلاحیتوں سے حسد ہونے

لگا۔ انھوں نے نوجوان کی بادشاہ سے شکایت کی اور کہا کہ نوجوان شاہی خزانے کو لٹا کر پیسہ پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ دفتر کا معائنہ کیا جائے۔ بادشاہ جیسے ہی دفتر میں معائنہ کے لیے پہنچا بادشاہ کو دفتر کی حالت دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ بادشاہ نے نوجوان سے پوچھا کہ دفتر کی سجاوٹ کے لیے تمھیں پیسہ کہاں سے حاصل ہوا؟ نوجوان نے بتایا کہ آپ کے محل میں آئے ہوئے دعوت ناموں پر سونے چاندی کی پچی کاری اور موتیوں کے بیل بوٹوں کو چھڑا کر انھیں فروخت کر کے جو رقم حاصل ہوئی ان سے فرنیچر دروازے اور کھڑکیاں درست کرائی گئی ہیں، سجاوٹ کا سامان بھی اسی رقم سے حاصل کیا گیا ہے۔ باقی رقم شاہی خزانے میں جمع کرادی گئی ہیں۔ یہ رسیدیں حاضر خدمت ہیں اور یہ ملازم جس سے یہ قیمتی چیزیں لفافوں سے علیحدہ کرائی گئی تھیں اسے ساتھ لے جاکر ہی بازار سے سجاوٹ کا سامان خریدا گیا ہے۔ اس کی ہی موجودگی میں جوہری کو یہ قیمتی چیزیں فروخت کی گئی ہیں اور رسید لی گئی ہے۔ نوکر نے نوجوان کے اس عمل کی گواہی دی۔ بادشاہ نوجوان کی محنت، ایمانداری اور لگن سے کام کرنے کی وجہ سے بہت خوش ہوا اور اسے ترقی دے کر وزیر خزانہ بنادیا۔ یہ نوجوان وزیر خزانہ بن کر بھی اسی طرح محنت اور ایمانداری سے کام کرتا رہا۔ اس کی ایمانداری اور ترقی سے حسد کرنے والوں نے بادشاہ سے پھر اس کی شکایت کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام وزیروں کو آج رات میں ہی جس حالت میں بھی ہوں لاکر حاضر خدمت کیا جائے۔ بادشاہ کے حکم پر عمل کیا گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ چند وزیر شراب پینے میں مشغول ہیں تو چند چوسر اور جوا کھیل رہے ہیں۔ وزیر خزانہ چراغ کی روشنی میں کسی حساب میں مشغول ہیں۔ بادشاہ نے وزیر خزانہ سے دریافت کیا کہ رات کے دو بجے کس حساب میں مشغول ہیں۔ وزیر خزانہ نے جواب دیا کہ کسانوں سے لگان اور تاجروں سے ٹیکس کے طور پر جو روپیہ وصول ہوا ہے اس کے حساب میں ایک پیسے کا فرق آرہا ہے۔ بادشاہ نے ایک پھینک دیا اور کہا جاؤ حساب برابر ہوگیا۔ اب آرام کرو۔ وزیر نے کہا یہ کام تو میں بھی کرسکتا تھا لیکن اس سے ہمارے ماتحتوں میں لاپرواہی پیدا ہوگی اور اپنے کام کی ذمہ داری سے بھاگیں گے۔ بادشاہ وزیر کے جواب سے بہت متاثر ہوا اور خوش ہو کر اسے وزیر اعظم بنادیا۔

■

Mohd Ahmad Danish
Kashan-e-Gulzar
Taj Colony, Near Taj Palace
Post:Raja ka Tajpur
Distt: Bijnor - 246735 (UP)

جوابات (اردو زبان کا جادو)

(11) دوست کی پہچان

1	ر		ڑ	ژ	
2	ش		پ	ت	ٹ
3	خ	ج		ح	
4	ڈ	ذ			

■

مآخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

منظر مظفر پوری

چاند، بڑھیا اور اڑن طشتری

جمیل انکل اپنی بیٹی روزی کو بہت پیار کرتے تھے۔ دراصل وہ نہایت ذہین اور اخلاق مند بچی تھی۔ اسے پڑھنے لکھنے کے علاوہ کہانی گڑھنے کا بھی شوق تھا۔ آس پاس کے لوگ اس کی ذہانت اور خوش اخلاقی کے قائل تھے۔ سدھیر انکل تو اُسے دیکھتے ہی اپنے بیٹے گوپی کے بارے میں سوچنے لگتے، 'کاش، میرا بیٹا بھی روزی کی طرح سمجھدار ہوتا۔'

دراصل گوپی کُند ذہن لڑکا تھا۔ وہ صرف کھیل کود میں وقت ضائع کرتا تھا۔ سُدھیر انکل اُس کو سدھارنے کی تمام کوششیں کر چکے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے روزی سے کہا، 'روزی بیٹے، گوپی تم سے ہر معاملے میں جونیئر ہے۔ پھر بھی کیا تم اُسے اپنے ماحول میں رکھنا پسند کرو گی؟۔ میری خواہش ہے کہ وہ تمھارے نقش قدم پر چل کر کسی لائق بن سکے۔

روزی بولی، 'انکل میں گوپی کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔ اُس سے میں دوستی بھی کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن پتا نہیں وہ مجھ سے کیوں کتراتا ہے۔'

'دراصل وہ تمھارے آگے خود کو کمتر سمجھتا ہے۔ بہت نا سمجھ لڑکا ہے۔'

'انکل آپ پریشان نہ ہوں۔ میں گوپی کو سمجھدار بنانے کی پوری کوشش کروں گی۔' روزی نے سُدھیر انکل کو دلاسہ دیا۔

دوسرے دن ہی روزی گوپی سے مخاطب ہوئی، 'مجھ سے دوستی کرو گے؟'

اُچھل کود میں مشغول گوپی روزی کی آواز سن کر ٹھٹھک گیا اور اُس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

روزی کہہ رہی تھی، 'کھیل مجھے بھی پسند ہے۔ لیکن میں اس زمین پر نہیں، بلکہ چاند پر کھیلتی ہوں۔ ہاں گوپی! میں روزانہ رات کو ہوم ورک پورا کرنے کے بعد چاند پر چلی جاتی ہوں۔ اور صبح ہونے سے پہلے لوٹ آتی ہوں۔'

'یہ تم کیا کہہ رہی ہو روزی؟'

'وہی، جو تم سن رہے ہو۔ چرخہ کاتنے والی بڑھیا روزانہ رات کو اُڑن طشتری پر سوار ہو کر چاند سے نیچے آتی ہے اور مجھے اُس میں بٹھا کر واپس چاند پر چلی جاتی ہے۔ پھر صبح ہونے سے پہلے زمین پر اُتار دیتی ہے.....دیکھو، یہ راز کی بات ہے، کسی سے کہہ مت دینا۔'

بھولا بھالا کُند ذہن گوپی روزی کی باتیں پوری توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔

'کسی روز تمھیں بھی چاند کی سیر کراؤں گی۔ بہت مزا آتا ہے... لیکن مصیبت یہ ہے کہ چاند پر ناسمجھ لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خاص طور پر خلائی سفر کرنے کے لیے انسان کا تعلیم یافتہ اور ذہین ہونا پہلی شرط ہے...اور تم ہو کہ علم و ہنر میں بالکل صِفر ہو۔ وہ کیا ہے کہ.....'

'دیکھو میں چاند پر جانے کی تمام شرطیں پوری کروں گا روزی۔ میں اکثر خواب میں خلائی پرواز کرتے ہوئے چاند کو چھونے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن کامیابی نہیں ملتی۔ بتاؤ، چاند کی سیر کے لیے مجھے کیا کیا شرطیں پوری کرنی ہوں گی؟'...

گوپی روزی کو بے چین نظروں سے دیکھنے لگا۔

روزی بولی، 'بس اسی وقت سے اچھے بچے بننا شروع کر دو۔'

اُسی روز سے گوپی خود کو سُدھارنے میں مشغول ہو گیا۔

کچھ دن بعد روزی نے اُسے شاباشی دیتے ہوئے کہا، 'ارے واہ، مجھے امید تو تھی؛ لیکن یقین نہیں تھا کہ خود میں تم خوش گوار تبدیلی اتنی جلدی لے آؤ گے۔ تو اِس قدر تمھیں چندا ماما سے پیار ہے؟'

'چندا ماما سے بھلا کس بچے کو پیار نہیں۔' گوپی کے منہ سے برجستہ نکلا۔

روزی گہری سوچ میں ڈوب گئی، 'یہ لڑکا اکیسویں صدی میں بھی سائنسی حقیقت سے اتنا غافل ہے؟' بھولے بھالے گوپی کو دیکھتے ہوئے روزی نے خود سے سوال کیا۔

کچھ روز بعد...

'روزی، تم مجھے چاند کی سیر کب کرواؤ گی؟' گوپی نے روزی سے پوچھا۔

'کچھ وقت لگے گا۔ اس بیچ تم دل لگا کر پڑھو لکھو اور خوب نام کماؤ'، روزی نے اُسے سمجھایا۔

'کیا تمھیں نہیں لگتا کہ میں نے وقت برباد کرنے سے توبہ کر لی ہے اور والدین کی فرماں برداری سے بالکل جی نہیں چراتا؟'

'ہاں، وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ چلو، میں آج رات چاند والی اُس بڑھیا سے بات کرتی ہوں، جو اُڑن طشتری میں بیٹھ کر رات کو میرے پاس آتی ہے۔ فی الحال لو، ٹافی کھاؤ۔'

روزی نے جیب سے ٹافی نکال کر گوپی کی طرف بڑھائی۔

'آہا کتنی اچھی ٹافی ہے۔ کہاں سے لائی ہو؟' گوپی نے ٹافی کا ذائقہ لیتے ہوئے روزی سے پوچھا۔

'چاند والی بڑھیا نے دی ہے۔ اچھا گوپی بتاؤ، یہ ٹافی تمھیں کہاں کی لگتی ہے؟'

'جب چاند والی بڑھیا نے دی ہے تو ظاہر ہے یہ ٹافی اس زمین کی نہیں ہو سکتی، بلکہ چاند سے لائی گئی سوغات ہے۔'

روزی گوپی کے بھولے پن پر مسکرانے لگی۔

اُڑن طشتری میں بیٹھ کر چاند پر جانے کی چاہت نے

گوپی کو واقعتاً ایک لائق مندلڑکا بنا دیا تھا۔ ایک روز اُس نے روزی کو پھر ٹوکا، 'کیا ہوا روزی، تم نے چاند والی بُڑھیا سے میرے لیے بات کی؟'

روزی الجھن میں پڑ گئی، پھر کچھ سوچ کر بولی، 'ہاں بڑھیا سے بات ہوئی تھی۔ بولی ابھی وہ بیمار چل رہی ہے... اُڑن طشتری میں بھی کچھ خرابیاں آ گئی ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہوتے ہی چاند والی بڑھیا ضرور تمھیں بھی چاند کی سیر کرائے گی۔ کیا ہے کہ لاکھوں برس پہلے دنیا بنی ہے۔ اب ایسے میں کبھی کبھار اُڑن طشتری کے کل پرزے کا گھِس جانا... اور بڑھیا کا بیمار پڑ جانا فطری ہے۔'

گوپی روزی کی بات انہماک سے سن رہا تھا۔ روزی کہہ رہی تھی، 'چاند والی بُڑھیا کو میں نے تمھارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم ایک اچھے بچے ہو، یہ سن کر وہ خوش ہوئی اور تمھیں خوب دعائیں دیں۔ اتنا ہی نہیں، اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی تمھیں بھی چاند کی سیر کرائے گی۔'

'واہ کیا بات ہے۔' گوپی خوشی سے چہک اٹھا۔ جبکہ روزی گہری سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اپنی گڑھی ہوئی اسٹوری کا خوبصورت اختتام کس طرح کرے؟

گوپی کے تقاضوں اور روزی کے ٹال مٹول کا سلسلہ کچھ روز چلتا رہا۔

اسی دوران ایک روز گوپی نے روزی سے سنجیدگی سے پوچھا، 'روزی آخر کیا بات ہے، تم اپنا وعدہ پورا نہیں کر پا رہی ہو؟ تمھیں چاند کی سیر کرانے والی بُڑھیا اور اُس کی اُڑن طشتری کب ٹھیک ہوگی؟'

'بس جلد ہی۔' روزی مایوس لہجے میں بولی۔

گوپی کو گُد گُداہٹ ہونے کے علاوہ روزی کی کیفیت پر افسوس بھی آ رہا تھا۔ وہ جیب سے ٹافی نکال کر روزی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا، 'لو، ٹافی کھاؤ۔'

روزی چپ چاپ ٹافی کھانے لگی۔ گوپی مزید بولا، 'جانتی ہو روزی، یہ ٹافی بھی زمینی نہیں، آسمانی ہے۔'

'کیا مطلب...؟'... روزی کے لہجے میں تھکماکاہٹ تھی۔

گوپی مسکراتے ہوئے بولا، 'Relax روزی۔ نہ تمھاری ٹافی آسمانی تھی، نہ میری...!' روزی عجیب نظروں سے گوپی کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔

'ایک بات بتاؤں روزی، پاپا نے چاند، بُڑھیا اور اُڑن طشتری کی ساری حقیقت مجھے تفصیل سے بتا دی ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ تم بہت اچھی ہو۔ تمہاری اخلاق مندانہ قابلیت کو میں سلام کرتا ہوں۔ اور اسی کے ساتھ یہ وعدہ بھی، کہ میں خواب وخیال میں جینے کے بجائے حقیقت نگار بنوں گا.... اور تم جیسے قابل دوستوں سے فیض حاصل کروں گا۔

روزی گوپی کی باتیں پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

گوپی مزید بولا، 'اگر مجھ میں تھوڑی بہت سمجھداری آئی ہے تو وہ صرف تمہاری اعلیٰ ظرفی کی بدولت۔ پاپا صحیح کہا کرتے ہیں کہ ہمیشہ اچھے بچوں سے دوستی کرنی چاہیے۔'

گوپی کی باتیں سن کر روزی نے راحت کی سانس لی۔

■

Manzar Muzaffarpuri
Paighamberpur Kolhua
Post: Kolhua, via: Kalwari
Muzaffarpur - 843108 (Bihar)

زیب النسا حیا

کہانی

ایک پل کی خوشی

مالیگاؤں میں ایک مصور رہتا تھا۔ ایک دن صبح سویرے اس نے ایک پینٹنگ بنائی۔ پینٹنگ میں اس نے ایک چڑیا کی تصویر بنائی اور پھر روز کی طرح اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اب کیا ہوا؟ تبھی اچانک کہیں سے ایک چڑیا کا بچہ وہاں آپہنچا اور وہ وہیں کھڑکی پر بیٹھ کر چیں... چیں... کر کے شور مچانے لگا۔ مصور کے کانوں میں چڑیا کے بچے کا شور وغل پہنچا تو اسے بڑا غصہ آیا، وہ اپنا کام چھوڑ کر اس کمرے میں پہنچا جہاں وہ پینٹنگ بنایا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا، ابھی کچھ دیر پہلے جو اس نے پینٹنگ بنائی تھی، وہاں چڑیا کا بچہ بیٹھا ہے اور تصویر کے اردگرد خوب شور مچا رہا ہے۔ یارب اسے کیا ہوا؟ مصور نے دل ہی دل میں کہا اور پھر غصے میں اس چڑیا کے بچے کو وہاں سے بھگا دیا۔ چڑیا کے بچے کے جاتے ہی اس نے اس پینٹنگ کو کپڑے سے ڈھک دیا۔ اب اسے اطمینان ہو چلا تھا کہ اس چڑیا کا بچہ اس پینٹنگ کے نزدیک نہیں آئے گا۔ اسے ڈر تھا کہیں پینٹنگ پر چونچ وغیرہ نہ مار دے۔

اگلے دن اس مصور کی پینٹنگ نمائش تھی۔ سو وہ ساری پینٹنگ لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہی چڑیا کا بچہ پھر سے اس کمرے کی کھڑکی پر آبیٹھا اور اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ چیں... چیں... کر کے شور مچا رہا تھا۔ اس کے بعد اس کی نظر جیسے ہی کینوس کے اسٹینڈ کی طرف پڑی، وہ زور زور

سے رونے لگا۔ روتے روتے اسے نہ جانے کب نیند آ گئی اور وہ وہیں بیٹھا بیٹھا سو گیا۔

اتنے میں مصور گھر لوٹا، کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر کھڑکی پر پڑی، کیا دیکھا، وہی چڑیا کا بچہ گہری نیند میں سو رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مصور کو غصہ آ گیا، اس نے جھٹ سے چڑیا کے بچہ کی طرف ایک لکڑی پھینکی اور بولا: سمجھ میں نہیں آتا کہ تو روز آ کر کیوں بیٹھ جاتا ہے، یہ کمرہ میرے پینٹنگ بنانے کا ہے۔ اگر تو نے یہاں گھونسلہ بنا لیا تو میری ساری محنت مٹی میں مل جائے گی۔ تیرے گھونسلے سے میری پینٹنگ بھی خراب ہو سکتی ہے۔ چل بھاگ یہاں سے، یہ کہتے ہوئے اس نے چڑیا کے بچے کو بھگا دیا اور کھڑکی بند کر دی۔

خیر وہ چڑیا کا بچہ دکھی دل سے اڑ گیا، مگر اسی رات وہ مصور کے خواب میں آیا اور اس سے بولا: بڑا نادان ہے رے تو انسان، تو نے سوچا شاید میں تمھاری پینٹنگ خراب کر دوں گا۔ اس کمرے میں گھونسلہ بنا لوں گا۔ مگر تم نے غلط سوچا، میں ایسا کچھ بھی نہیں کرتا۔ یاد ہو گا تم نے کھڑکی بند کرتے ہوئے یہ کہا تھا آج کے بعد یہ کھڑکی کبھی نہیں کھلے گی لیکن میں بتا دوں تمھیں، میں کیوں کھڑکی پر آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ اس کی وجہ تمھاری پینٹنگ میں بنی چڑیا ہو بہو میری ماں جیسی تھی۔ تمھیں نہیں معلوم، جب میری نظر تمھاری بنائی تصویر پر پڑی تو مجھے اپنی ماں یاد آ گئی اور بس میں اس تصویر کو دیکھنے آنے لگا۔ مجھے یہ سوچ کر سکون ملا، بھلے ہی میری ماں مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو کیا ہوا، مگر میری یادوں میں وہ آج ایک بار پھر تصویر میں زندہ ہو گئی۔ کھڑکی بند رکھو یا کھلی یہ تمھارا حق ہے، آج کے بعد میری ایک بات سدا یاد رکھنا، یادیں کبھی قید نہیں ہوتیں۔ بتا دوں کیوں؟ تو سنو جب اس دن تم وہ پینٹنگ لے کر جا رہے تھے تو میں نے تمھارا پیچھا کیا، جانتے ہو، جہاں تم نے پینٹنگ بیچی، میں نے انھی لوگوں کے باغیچہ میں گھونسلہ بنا لیا اور وہیں رہ کر روز اپنی ماں کو دیکھ کر کہتا ہوں، او ماں! تم تصویر میں بھی زندہ ہو۔

تبھی اچانک مصور کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے چاروں طرف گھبرا کر دیکھا، ذہن پر زور ڈالا تو اسے یاد آیا کہ وہ تو خواب دیکھ رہا تھا۔ اس خواب میں وہی چڑیا کا بچہ اس سے کہہ رہا تھا۔ آج اسے افسوس ہو رہا تھا یہ سب سوچ کر۔

کتنا غلط کیا میں نے جو اس چڑیا کے بچہ کو ایک پل کی خوشی بھی نہیں دے سکا۔

یہ سوچتے ہوئے اسے یاد آ گئی اپنی ماں کی وہ بات جب بچپن میں انھوں نے ایک بار اس سے کہا تھا، ہمیشہ رب کریم سے یہی دعا مانگا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنْ مُنْکِرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ وَالْاَدْوَاءِ

ترجمہ: (اے اللہ میں برے اخلاق سے اور برے اعمال سے اور بری چاہتوں سے اور بری بیماریوں سے بچے رہنا کے لیے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

■

Zaibunnisa Haya
A-1, Fourth Floor
M.M. Apartment, Near Shiya Masjid
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

ارم نعیم

بارش کی دعا

شگوفی اپنے امی ابا کی دوسری اولاد تھی، ایک بڑی اور ایک چھوٹی بہن کا ساتھ تھا، والدین کو اپنی تینوں بچیاں نہایت ہی عزیز تھیں، ابا دُکان سے دوپہر کا کھانا گھر پر کھانے آتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹیوں کو آواز دیتے اور اگر کوئی تینوں میں سے ایک نظر نہ آتی تو فوراً اُس کے بارے میں پوچھتے کہ کہاں گئی، اسی سبب ابتدا سے سب کو ساتھ میں ہی دسترخوان کی عادت ہوگئی تھی اور اب تو یہ عالم تھا کہ چاہے جس قدر بھوک لگی ہو لیکن جب تک ابا گھر نہ آتے کوئی کھانے کے قریب بھی نہ جاتا۔

شگوفی بڑے ہی سادہ اور بھولے مزاج کی لڑکی تھی، جسے ہر ایک سے محبت اور ہر مصیبت زدہ کی مدد کرنے کا جنون سا تھا، جتنا اُس سے ممکن ہوتا وہ دوسروں کی اُتنی مدد ضرور کیا کرتی، لیکن بعض اوقات اپنی انہی عادتوں کے سبب بڑی بہن زویا اور امّی سے ڈانٹ بھی سنتی کیونکہ اُن دنوں شہر میں ایسی کئی وارداتیں پیش آچکی تھیں کہ جہاں مدد کی طلب میں کچھ فریب کاروں نے لوگوں کو لوٹا اور نقصان پہنچایا تھا، اسی سبب امّی خوفزدہ تھیں کہ کہیں میری معصوم بچّی کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے، کیونکہ ابا بھی کئی دفعہ اس بات کی تصدیق کر چکے تھے کہ ان کی پیاری اور دلاری بیٹی شگوفی عمر کے اعتبار سے تو بھلے ہی بڑی ہو رہی ہے مگر ابھی بھی اُس کی نادانیاں، بھولا پن، بچپنا اور معصومیت برقرار ہے۔

شگوفی کو ابتدا سے مخلوقِ خُدا سے اور خصوصاً بے زبان جانوروں و پرندوں سے کافی محبت تھی، کیونکہ ماں نے اُسے بچپن سے ان باتوں کا درس دیا تھا، اور یہ بات تو حق ہے کہ بچّے اپنے ماں باپ کو جیسا کرتے دیکھتے ہیں، وہ بھی ویسی ہی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں، اور شگوفی نے اپنی امّی کو بچپن سے ہی ایسا کرتے دیکھا، جب بھی کوئی چوٹ زدہ پرندہ گھر کی چھت پر یا اِردگرد کہیں بھی نظر آتا امّی اُسے اٹھالاتیں اور اس کی تیمارداری اس وقت تک کرتیں جب تک کہ وہ بہتر اور پرواز کے قابل نہ ہو جاتا، اسے دوا لگاتیں، پٹی باندھتیں، وقت پر کھانا اور پانی دیتیں، اس کی رہائش اور تحفظ کے لیے رہنے کی جگہ بناتیں کہ وہ سکون سے رہ سکے، اور شگوفی امّی کے ان کاموں میں بچپن سے ہی انکی مکمل شریک کار بنتی گئی، اب جب تک اس بیمار بے زبان کو قرار نہ آتا یہ دونوں ماں بیٹی بھی یوں ہی بے قرار رہتیں اور جب تک وہ کچھ کھا نہ لیتا ادھر بھی کھانے کا لقمہ منہ میں نہ ڈالا جاتا۔ اس طرح سے یہ سلسلہ چلتا گیا، اور اب محلے میں کسی کو چوٹ کھایا یا بیمار پرندہ ملتا تو وہ شگوفی کے گھر دے دیا جاتا۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہاں اس کا سب سے بہتر خیال رکھا جائے گا۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ چل ہا تھا، سحری کا وقت ختم ہو چکا تھا اور سبھی نمازِ فجر کے لیے مسجد کی سمت روانہ ہو رہے تھے، شگوفی نے بھی اپنے ہر دن کی طرح تلاوتِ کلامِ پاک کیا اور نماز پڑھنے کے لیے اٹھی اور نماز سے فارغ ہو کر کمرے کے آگے موجود بالکونی میں دُعا کرنے کے لیے کھڑی ہوگئی، رمضان کے دنوں میں اس کا خاص معمول تھا کہ جب نماز اور تلاوت سے فارغ ہوتی تو بعد نمازِ فجر اسی

طرح دُعا کیا کرتی، اور اس وقت تو بارش بھی ہو رہی تھی۔ وہ بچپن سے امّی سے یہ سنتی آئی تھی کہ بارش کے وقت مانگی گئی دُعا قبول ہوتی ہے، لیکن یہ بارش ابھی نہیں شروع ہوئی تھی بلکہ پچھلے دو دنوں سے جاری تھی، اور بارش زیادہ ہونے کے سبب بجلی کے پولوں کے گرد پچھلے کئی دنوں سے کرنٹ پھیل گیا تھا جس کے وجہ سے لوگ کافی احتیاط برت رہے تھے، کہ کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔

ابھی شگوفی مصروفِ دُعا ہی تھی کہ اس نے گائے کے چلاّنے کی آواز سنی اور سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کے ہوش اُڑ گئے، گھر کے سامنے والے راستے ایک گائے اپنے چھوٹے بچّے کو ساتھ میں لے کر آ رہی تھی اور بچہ ماں کی دائیں جانب تھا اور اسی سمت بجلی کا پول ہونے کی وجہ سے زمین پر کچھ دور تک کرنٹ پھیل گیا تھا اور بچہ اس کی زد میں آ کر نیچے گر گیا، اب اس کی بے زبان ماں اپنے بچّے کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی کہ کیوں اس کا بچہ اُٹھ نہیں پا رہا، اِدھر بچّے کی ماں بے چین اور اِدھر شگوفی کی انکھوں سے اشکوں کی برسات جاری ہو گئی اور وہ جلدی سے قرآن پاک میں سورہ رحمٰن کی آیتیں پڑھ کر بارگاہِ خُدا میں اس بچے کی جاں بخشی و خیر خواہی کی دُعائیں مانگنے لگی، شگوفی کے رونے کی آواز سُن کر اب تک دونوں بہنیں زویا او زُنیرا بھی وہاں پہنچ گئیں اور یہ ماجرا دیکھ کر وہ بھی مصروفِ دُعا ہو گئیں۔

اسی دوران مسجد میں نماز ختم ہوئی اور نماز مکمل کر کے لوگ مسجد سے اپنے گھروں کو جانے لگیں لیکن اس راستے سے جاتے ہوئے بھی کسی نے اُس بے زبان کو بچانے کا خیال نہیں کیا لوگوں کی سنگ دلی دیکھ کر شگوفی کا دل اور تڑپنے لگا اور وہ خود بھی کچھ کرنے سے قاصر تھی۔ ایک تو یہ کام اکیلے اس سے نہ ہو سکتا تھا اور دوسرے اس وقت گھر سے نکلنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ اتنے میں شگوفی کو ابّا نظر آ گئے اور اس نے ابا سے جلدی سے اسے بچانے کو کہا، ابّا نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے گھر سے فوراً لکڑی کا ایک موٹا ڈنڈا لیا اور اُدھر بھاگے، سب سے پہلے تو ابا نے بچے کی ماں کو اُدھر سے بھگایا کہ کہیں وہ بھی بچّے کی محبت میں کرنٹ کی زد میں نہ آ جائے، اور پھر بچّے کو ڈنڈے کی مدد سے کھسکانے کی کوشش میں لگ گئے ان کو ایسا کرتا دیکھ کر دو اور لوگ ان کی مدد کو آگے بڑھے، چند ہی لمحوں میں تینوں کی جدو جہد کے سبب بچّہ وہاں سے ہٹ تو گیا، پر خوف زدہ ہونے کی وجہ سے وہ کھڑا نہ ہوا لیکن تینوں نے مل کر اسے کھڑا کروایا اور بچّہ جستہ جستہ دوڑ کر آگے آنے لگا، اسی لمحہ شگوفی نے کیا دیکھا کہ بچّے کی ماں لوگوں کے بھگا دینے کے بعد گلی کے دوسرے راستے سے آ کر گھر کے دوسری طرف کھڑی تھی اور اپنے بچّے کو بچانے کا سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، بچّے کو پاتے ہی ماں اسے پیار کرنے لگی اور بار بار تینوں لوگوں کو دیکھ کر یوں آوازیں نکالنے لگی کہ جیسے اپنے بچّے کی جان بچانے کے سبب سب کا شکریہ ادا کر رہی ہو، اور پھر اپنے بچّے کو ساتھ لے کر جانے لگی۔

آج شگوفی کو احساس ہوا کہ ماں صرف ماں ہوتی ہے۔ وہ نہ تو جانور ہوتی ہے اور نہ انسان، اور نہ ہی اس کا کوئی مذہب ہوتا ہے سوائے ایک کے اور وہ ہے ممتا کا مذہب، خدا نے بس ممتا لٹانے کے لیے اسے دنیا میں بھیجا ہے۔ ■

Iram Naim
92/100,ShahnoorAli Ganj
Allahabad - 211003 (UP)

ثنا اسد

کہانی

میری امی کی زبان

راشد میاں دسویں کلاس کے طالب علم ہیں۔ اگر چہ وہ سائنس، حساب، سوشل اسٹڈیز، ہندی اور انگریزی میں بھی بہت اچھے نمبر لاکر ہر کلاس میں فرسٹ ڈویزن اور فرسٹ پوزیشن حاصل کرتے ہیں اور ان کے ٹیچرس کی پیش گوئی ہے کہ وہ بڑے ہوکر ڈاکٹر بنیں گے۔ اسی لیے انھوں نے منصوبہ بنایا ہے کہ وہ ہائی اسکول کرنے کے فوراً بعد انٹرمیڈیٹ اور میڈیکل کی تیاری ساتھ ساتھ کریں گے۔ اسی لیے ان کے ابو نے ان کا داخلہ ایک ایسے انسٹی ٹیوٹ میں کرانے کا ارادہ کیا ہے جس میں وہ فزکس، کیمسٹری او ربایولوجی کے ساتھ ساتھ میڈیکل کے آل انڈیا سطح کے مقابلہ جاتی امتحان نیٹ کی بھی تیاری کریں گے۔ چونکہ ابو اردو زبان کے عاشق ایک مذہبی انسان ہیں لہٰذا انھوں نے راشد سے کہا ''اب آپ بالغ ہوگئے ہیں۔ اس لیے آپ پر نماز اور روزہ بھی واجب ہوگئے ہیں۔''

''لیکن ابو جان! میں تو ابھی پندرہویں سال میں ہی چل رہا ہوں جبکہ ایک انسان 18 سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے۔ سرکار اٹھارہ سال کے لڑکوں کو ہی موٹر چلانے کا لائسنس دیتی ہے۔ اس لیے میں ابھی سے کیسے بالغ ہوگیا؟'' راشد نے سوال کیا تو ابو نے انہیں سمجھایا ''دنیوی اور سرکاری لحاظ سے ایک لڑکا بلاشبہ 18 سال کے بعد ہی بالغ ہوتا ہے لیکن اسلام کے مطابق 14 سال کا لڑکا اور 9 سال کی لڑکی بالغ کہلاتے ہیں اور ان پر روزہ ونماز بڑوں کی طرح واجب ہوجاتے ہیں۔ چونکہ آپ کا ہائی اسکول کا امتحان اگلے ماہ ختم ہوجائے گا۔ اس لیے آپ چھٹی کے دنوں میں اردو اور عربی پڑھیں گے۔ میں نے ایک مولانا سے بات کرلی ہے وہ آپ کو دونوں زبانیں پڑھائیں گے۔''

''مگر ابو جان! مجھے تو میڈیکل کی تیاری کرنا ہے۔ اردو اور عربی پڑھنے سے میری تیاری پر برا اثر پڑے گا۔ یوں بھی میڈیکل کی تعلیم اردو یا عربی میں نہیں بلکہ انگریزی میں ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے بیٹے! آپ کو انگریزی اور سائنس پڑھ کر ہی ڈاکٹر بننا ہے۔ لیکن عربی ہماری مذہبی زبان ہے۔ قرآن پاک اسی زبان میں ہے اور اس کی آیتیں ہی نماز میں پڑھی

جاتی ہیں۔ کلام پاک پڑھنے کے لیے عربی کی تعلیم ضروری ہے۔''

ابو نے راشد میاں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں ابو جان! قرآن پاک پڑھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ میں امتحان دینے کے بعد عربی پڑھ لوں گا لیکن اردو پڑھ کر مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟'' انہوں نے پھر سوال کیا۔

''بیٹا! اردو آپ کی مادری زبان یعنی Mother Tonguf ہے۔ یہ آپ کی امّی کی زبان ہے۔ اسی زبان میں انھوں نے آپ کو بولنا سکھلایا اسی زبان کی لوریاں سنا کر بچپن میں آپ کو وہ سلایا کرتی تھیں۔ شاید آپ کو یاد ہو وہ گنگنا کر آپ کو یہ لوری سنایا کرتی تھیں۔

آ جا ری نندیا تو جلدی سے آجا
راشد کو میرے آ کر سلا جا

جی ابو جان! مجھے یہ لوری ابھی تک یاد ہے۔ مگر میڈیکل کی تیاری کے لیے لوریوں کی نہیں، فزکس، کیمسٹری اور بایولوجی کے فارمولوں کو یاد کرنا لازمی ہے۔''

''راشد میاں! ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں اور پروفیسر وغیرہ بننے کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم وتربیت ضروری ہے لیکن ڈاکٹروں کی بھی اپنی مادری زبان ہوتی ہے۔ وہ میڈیکل کی تعلیم ضرور انگریزی زبان میں حاصل کرتے ہیں لیکن جب ڈاکٹر بننے کے بعد وہ مریضوں کو دیکھتے ہیں تو ان سے بات اردو یا ہندوستانی میں ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا مادری زبان سے واقفیت بھی ڈاکٹروں کے لیے ضروری ہے۔ آج کے لڑکے لڑکیاں فلمیں اور ٹی وی سیریل بھی خوب دیکھتے ہیں۔ عام طور پر ان کی زبان آسان اردو ہی ہوتی ہے۔ فلموں کے نغمے تو اردو کے بڑے بڑے شاعروں مثلاً شکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطانپوری، کیفی اعظمی، حسرت جے پوری اور خمار بارہ بنکوی وغیرہ نے لکھے جو بہت پسند کیے گئے۔ ڈاکٹر اور انجینئر بھی ان نغموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جو لوگ اردو کی تعلیم حاصل کیے ہوتے ہیں وہ ان گیتوں سے زیادہ مزہ حاصل کرتے ہیں۔'' ابو جان نے اردو کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے ٹھوس دلیلیں اور ثبوت دیے تو راشد میاں کسی حد تک مطمئن ضرور ہوئے لیکن وہ سوال پھر بھی کرتے رہے۔

'ابو جان! آپ نے اردو کی اہمیت تو ثابت کی۔ لیکن آج کل ٹی وی سیریل ہوں یا فلمیں ان کی زبان پر انگریزی زیادہ حاوی نظر آتی ہے۔ فلمی گیتوں پر بھی پنجابی زبان کا اثر محسوس ہوتا ہے۔'' راشد نے پھر سوال کیا تو ان کے ابو نے نہایت محبت سے سمجھایا۔

''راشد میاں! یہ صحیح ہے کہ آج کل میڈیا میں انگریزی الفاظ کی بھرمار نظر آتی ہے۔ لیکن اردو کا بھی اثر دکھائی دیتا ہے۔ یوں بھی اردو ایک میٹھی اور پیاری زبان ہے۔ 1830 میں انگریزی حکومت نے اسے سرکاری دفاتر اور عدالت کی زبان بنایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ 1947 میں آزادی کے بعد اردو پاکستان کی اور ہندی ہندوستان کی سرکاری زبانیں بن گئیں لیکن آج بھی اردو کئی ہندوستانی ریاستوں مثلاً اترپردیش، بہار، تلنگانہ اور دہلی وغیرہ میں دوسری سرکاری زبان ہے۔ ہمارے ملک میں انگریزی اور ہندی کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں اردو کے اخبارات ومیگزین شائع ہوتے ہیں۔''

''آپ صحیح فرما رہے ہیں ابو جان! مگر ہندوستان میں

انگریزی اور ہندی زبانوں کی ہی اہمیت ہے۔ اس لیے اردو پڑھنے سے کیا ملے گا؟''

راشد کا یہ سوال سن کر ان کے ابو حامد صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''راشد بیٹا! اردو ہماری تہذیب ہے۔ اس زبان کو پڑھنے سے ہر حرف کا تلفظ یعنی Pronunciation صحیح ہو جاتا ہے۔ ورنہ اردو نہ جاننے والے لوگ فزکس کو فجکس اور زولوجی کو جولوجی کہتے ہیں۔ آپ کی مادری زبان اردو ایک شیریں زبان ہے۔ اس الفاظ میں مٹھاس ہے اور جملوں میں رس ہے۔ جب آپ اردو پڑھنے لگیں گے تو میں آپ کو مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کی پانچ کتابیں پڑھنے کے لیے دوں گا۔ ان کتابوں میں نہایت دلچسپ نظمیں اور کہانیاں ہیں۔ میں نے بچپن میں یہ کتابیں پڑھیں تھیں لیکن ان کی نظمیں مجھے آج بھی زبانی یاد ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی ایک نظم گائے پر ہے جس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے۔

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی
دودھ دہی اور میٹھا مسکا
دے نہ خدا تو کس کے بس کا
اس مالک کو کیوں نہ پکاریں
جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

مولوی اسمٰعیل کی دیگر نظمیں جیسے 'ڈال کی فریاد' اور 'پن چکّی' وغیرہ بھی بہت مزیدار ہیں۔ نظم 'پن چکّی' اس طرح شروع ہوتی ہے۔

نہر پہ چل رہی ہے پن چکّی
دھن کی پوری ہے کام کی پکّی

مرحوم اسمٰعیل میرٹھی نے کہانیوں میں بھی شعروں کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً ایک نصیحت والا شعر سنیے۔

اوروں کو بھلی بات بھی بھاتی نہیں تم کو
پر اپنی برائی نظر آتی نہیں تم کو

اپنے ابّو جان کی یہ باتیں سن کر راشد میاں بہت خوش ہوئے۔ اسی دوران ابّو نے انہیں اردو کے بچوں کے دلکش کچھ رسالے جیسے 'بچوں کی دنیا'، 'اُمنگ' اور 'باغیچہ' وغیرہ دکھلائے۔ جنہیں دیکھ کر راشد میاں بہت خوش ہوئے اور بولے۔

''اردو تو واقعی بہت پیاری اور اچھی زبان ہے۔ چونکہ یہ میری امّی کی زبان ہے۔ یعنی میری مادری زبان ہے۔ اس لیے میں ابو جان آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہائی اسکول کا امتحان دینے کے فوراً بعد یعنی اگلے ہی دن سے میں مولانا صاحب سے اردو پڑھنا شروع کر دوں گا۔''

یہ سن کر حامد صاحب نے مسکرا کر راشد میاں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بیٹے! مجھے آپ سے یہی امید تھی۔ اب میں نہ صرف کل آپ کے لیے مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی کتابیں خرید کر لاؤں گا بلکہ آئندہ ماہ سے بچوں کے رسالوں کا سالانہ خریدار بھی آپ کو بنواؤں گا، لیکن اب آپ اپنے امتحان کی تیاری دل لگا کر کیجیے۔''

ابّو کی یہ بات سن کر راشد میاں اپنے کمرہ میں چلے گئے اور امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

■

Sana Asad
21/37-3EC Road
Dehra Dun -248001(Uttra Khand)

ادارہ

گیارہویں قسط

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(11) دوست کی پہچان

مقصد : ہم شکل حروف کی پہچان

ہدایت : حروف کے ساتھ الفاظ دیے گئے ہیں۔ان الفاظ میں دیے گئے حروف کے ہم شکل حروف نکال کر دائروں میں لکھیے۔ ہر گروپ میں ایک لفظ ایسا ہے جس میں ہم شکل حرف نہیں ہے۔

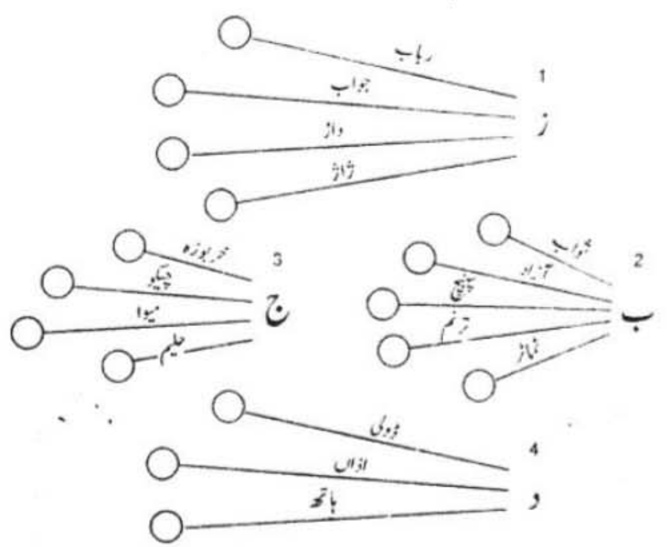

آخری قسط

انسانیت

مصنف: انیس اعظمی

مصور: فجرالدین

مارگریٹ : آشیش، کیا تم کو Pain، ہوتا............ بولو جواب دو............ درد ہوتا تم کو؟

(آشیش سر ہلاک انکار کرتا ہے لیکن اُسی لمحے ہاتھ سے اپنے منھ کو دبا کر سسکیوں کو روکنے کی اور آنسوؤں کو پونچھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سبھی اُس کے رونے سے پریشان ہیں۔ ڈاکٹر جھنجھلاتا ہے۔)

فوجی ڈاکٹر : Infact his blood is very important for the little girl

(روشنی آشیش پر ہلکی ہوتی ہوئی قبائلیوں پر تیز ہوتی ہے۔)

قبائلی 1 : لگتا ہے یہ اس کے پران لے کر رہیں گے۔

قبائلی 2 : ہاں فوجی ہیں انھیں پران لینے دینے کا ہی کام آتا ہے۔

قبائلی 1 : اور انگریجی بولنے کا کام بھی............

(تبھی کسی جیپ کے اسٹیج کے قریب آنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اب پورے اسٹیج پر روشنی پھیل چکی ہے۔ جیپ کی آواز بہت قریب آچکی ہے۔ سب کی گردن وِنگز کی طرف مڑ جاتی ہے۔)

قبائلی 1 : لگا ہے اور پھوجی آرہے ہیں۔

قبائلی 2 : کا کرنے آرہے ہیں؟

قبائلی 1 : دوادارو کرنے اور انگریجی بولنے۔

(دونوں سر جھکا کر کھی کھی کر کے ہنستے ہیں۔ جیپ کے پاس آکر رُکنے کی آواز آتی ہے۔ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی ایک نرس دونوں ہاتھوں میں دوائیوں اور مرہم پٹی کا سامان لیے ہوئے اسٹیج پر داخل ہوتی ہے۔ اس نے سِول اسپتال نرس کی سفید یونیفارم پہن رکھی ہے وہ ڈاکٹر کو دیکھ کر اُس کی طرف بڑھتی ہے۔

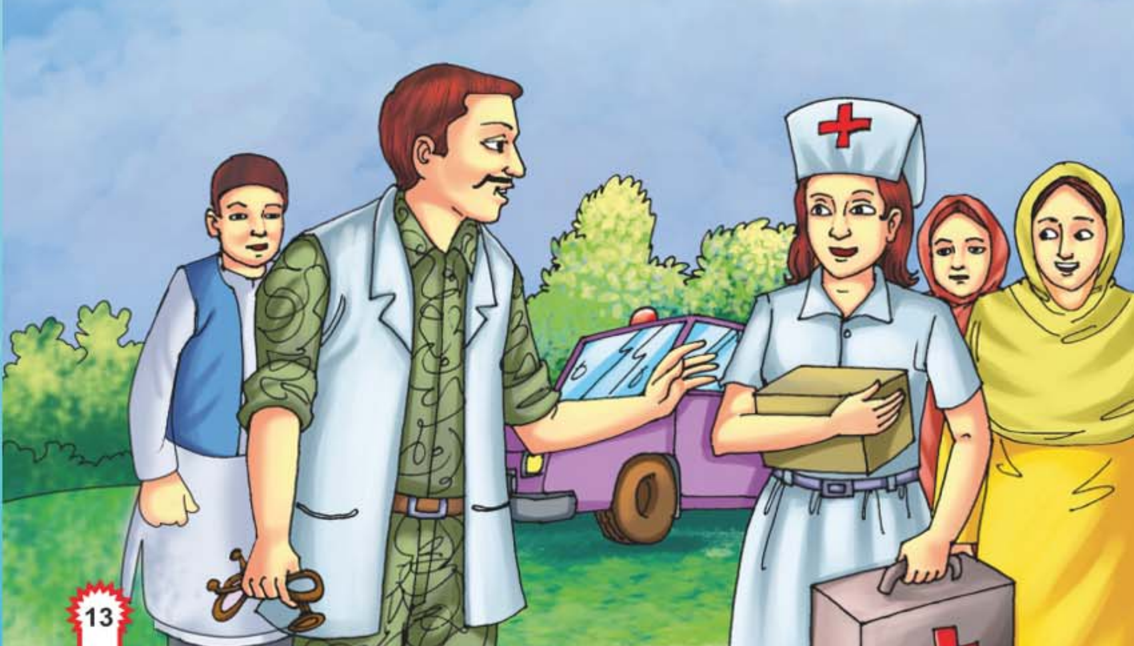

13

نرس 3 : Good Morning Doctor، میں سول اسپتال کی سینیئر نرس آشا مجومدار ہوں۔ڈی ایم صاحب کے آرڈر پر یہاں آئی ہوں میرے پاس کافی دوائیاں بھی ہیں۔

فوجی ڈاکٹر : O.K. no problem, but tell me.-do you know Bangla?

نرس 3 : ہاں ہاں کیوں نہیں۔میرا تو بھاشا یہی بانگلا ہے۔

فوجی ڈاکٹر : Thank God .... You can solve our problem, Please ask this young boy, Why is he crying ..... actually he knows only Bangla and none of us know this language ..... so there is a communication gap.

(سول اسپتال سے آئی نرس آشا مجومدار لپک کر آشیش کے پاس جاتی ہے۔اُس کی چار پائی پر بیٹھ جاتی ہے۔پیار سے اُس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے بنگلا میں سوال کرتی ہے۔)

نرس 3 : تُمی ٹھیک آچھوتو؟(تم ٹھیک تو ہونا؟)

(آشیش ہونّق سا اُسے دیکھتا ہے جواب نہیں دیتا۔)

نرس 3 : تمارنام کی اُچھے ؟(تمھارا نام کیا ہے؟)

آشیش : آشیش!

نرس 3 : شوندر نام آچھے(خوبصورت نام ہے)

(آشیش تھوڑا شرما کر مسکراتا ہے۔)

نرس 3 : اچھا آشیش، تم کان جو کپنو؟ (تم رو کیوں رہے ہو)

(آشیش آہستہ آہستہ جواب دیتا ہے۔ نرس 3 کان لگا کر غور سے سنتی ہے۔)

نرس 3 : نا، نا، نا، اَمی شوڈوا یکٹو، تمار دکتو نیبو۔ (زور سے ہنس کر، نہیں، نہیں، نہیں، ہم تمھارا صرف تھوڑا سا ہی خون لیں گے)

(نرس 3 آشیش کو ہنس ہنس کر سمجھانے لگتی ہے۔ آشیش پلکیں جھپکا کر سنتے ہوئے اچانک خوش نظر آنے لگتا ہے۔ وہ شرما کر ہنستا ہے۔ فادر، ڈاکٹر اور دوسرے لوگ قریب آ کر اِس کایا پلٹ کو جاننا چاہتے ہیں۔)

نینسی : اِس نے کیا بتایا، یہ کس بات پر روتا تھا؟

نرس 3 : اب کہاں رو رہا ہے۔ دیکھیے یہ تو ہنس رہا ہے

مارگریٹ : آشیش کیا بتایا آپ کو، یہ اتنا دُکھی کیوں تھا؟

نرس 3 : یہ آپ لوگوں کی بات پورا نہیں سمجھا اِس لیے رو رہا تھا۔

فادر : کون سا والا بات ٹھیک سے نہیں سمجھا تھا؟

نرس 3 : اِس نے سمجھا کہ آپ لوگ اِس کے شریر کا سارا خون نکال لیں گے اور تب دُرگی کی جان بچ پائے گی اور یہ مَر جائے گا۔

مارگریٹ : نہیں، ایسا بات تو نہیں بولا اَم، اَم بولا تمھارا بس تھوڑا خون دُرگی کا واسطے مانگتا۔

نینسی : ہاں اَم بی اِس کو اَیسا ہی بولا تھا۔

(نرس 3 آشیش سے پوچھتی ہے وہ دھیرے دھیرے اُسے جواب دیتا ہے جیسے نرس 3 بتاتی ہے۔)

نرس 3 : اِس کو بس بنگلا ہی آتا ہے ہندی، اِنگلش نئیں آتا، جو کُچھ آپ بولے یہ اُس کو برابر نہیں سمجھ سکا۔

فادر : مطلب اِس کو یقین تھا کہ یہ خون دے کر مر جائے گا؟

نرس 3 : ہاں، تبھی تو یہ رو رہا تھا............ بے چارہ۔

فادر : (فادر اپنے ایک پیر کو زور سے زمین میں ٹیک کر اونچی آواز میں کہتا ہے۔)

فادر : Oh my God I can't believe it.....اگر یہ اتنا بہادر ہے تو پھر روتا کس واسطے تھا۔

نرس 3 : اِس کو بار بار اپنی ماں یاد آ رہی تھی، جس کا دنیا میں آشیش کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، اِس کے پتا مر چکے ہیں۔

نینسی : God bless you my boy ..... مطلب تم اِتنا بڑا بلیدان دینے کو تیار تھا، لیکن کیوں بولو کیوں دینا چاہتا تھا بلیدان؟

(نرس 3 آشیش سے دھیرے سے پوچھتی ہے اور اس کے جواب کو لوگوں تک پہنچاتی ہے۔)

نرس 3 : یہ بولتا، اِس کی ماں اِس کو سمجھائی ہے کہ ''اِنسان وہ ہے جو بُرے سمئے میں اِنسان کے کام آئے۔ اِنسان کی بھلائی یہی دنیا کا سب سے بڑا دَھرم ہے۔ چاہے اِسے پورا کرنے میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

فادر : God bless you my son- تم اَم جیسا اِنسان نئیں، تم تو سچ مچ کا سینٹ ہے You are a living saint (اتنا کہہ کر فادر رومال سے آنسو پوچھتا ہے اور نینسی کی بھی آنکھیں چھلک جاتیں ہیں۔ فوجی ڈاکٹر آگے بڑھ کر آشیش کے دونوں کندھے پکڑ کر اُس کا ماتھا چومتا ہے۔

فوجی ڈاکٹر : Young man, I am proud of you. You are a real soldier (ڈاکٹر اُس کو سیلوٹ کرتا ہے۔)

قبائلی 1 : دیکھا پھر انگریجی بولا۔

قبائلی 2 : لیکن اب کی بار بڑے پیار سے انگریجی بولا۔ (Fade out) پردہ گرتا ہے

ختم شد

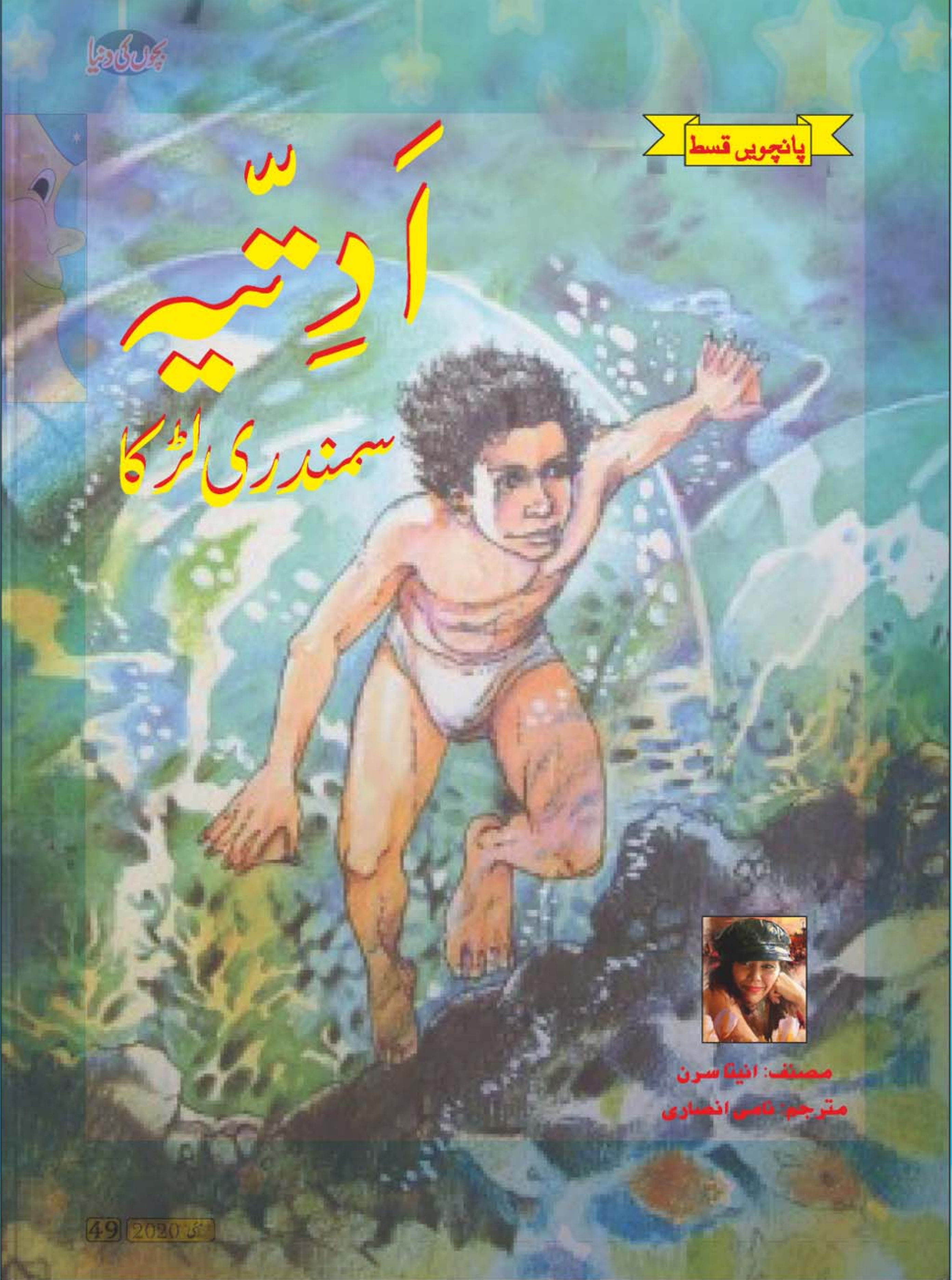

پانچویں قسط

اَدِتّیہ

سمندری لڑکا

مصنف: انیتا سرن
مترجم: نامی انصاری

قسط وار ناول

پروفیسر سین سمندر اور سمندری مخلوقات پر ریسرچ کررہے ہیں۔ انھوں نے اپنے جین سے ایک سمندری انسان تیار کیا تھا جو آدھا انسان اور آدھا ڈولفن ہے۔ جو انسانوں کی طرح بات کرتا ہے۔ ڈولفن کی باتیں سن سکتا ہے۔ انہیں جواب دے سکتا ہے، اس انوکھی مخلوق کا نام ادتیہ ہے۔ پروفیسر سین نے سمندر کی گہرائی میں دفن راز اور ڈولفن سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے بنایا ہے۔پندرہ ڈولفن مچھلیوں نے طویل سفر شروع کیا تو ادتیہ ان مچھلیو ں کی 'لیڈر کی' کی پیٹھ پر بیٹھ کر سمندری سفر پر روانہ ہوگیا۔ شکاری موٹربوٹ سے بچتے ہوئے یہ سبھی لوگ آسٹریلیا پہنچ جاتے ہیں۔ ایک دن انہیں ڈاکوؤں کا ایک جہاز سمندر کی تہہ میں نظر آتا ہے۔ اس جہاز کے کیپٹن کی لاش کے ھاتھ میں ایک لاکٹ تھا جسے ادتیہ نے دیکھا۔ اس لاکٹ کے اندر سے ایک کاغذ نکلتا ہے جس میں اس شخص کا اپنی بیوی کے لیے پیغام ہوتا ہے۔ ادتیہ اُسے پڑھتا ہے اور لاکٹ کو وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ بہت سی ڈولفن مچھلیاں ادتیہ کے گرد جمع ہوجاتی ہیں۔ کی نامی ڈولفن مچھلی ادتیہ کے پاس آتی ہے اور سمندر کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتی ہے۔ ادتیہ اور کی کے درمیان مکالمہ نہ صرف دلچسپ ہوتا ہے بلکہ معلوماتی بھی ہوتا ہے جس سے سمندر، زمین اور ان سے متعلق بہت سے اسرار سامنے آتے ہیں۔ آپ نے پڑھا کہ دو سفیدفام کشتی میں نمودار ہوتے ہیں اور ڈولفین ان سے ادتیہ کوبچانے کے لیے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔ وہ پانی میں جال ڈالتے ہیں جس کے باعث 'انکی' ڈولفن میں پھنس جاتی ہے اور زخمی ہوجاتی ہے۔ اس اثنا میں ادتیہ سمندر کے بہت سے عجائبات دیکھتا ہے۔اچانک اس کی نظر نارنجی رنگ کی طشتری پرپڑتی ہے اور وہ اس کی حقیقت جاننے کی کھوج میں لگ جاتا ہے۔اب آگے

پرنس اٹلان

ادتیہ، بادل دوست اور کی کے ساتھ چل کر پیتل سے بنے ایک بڑے دروازے تک پہنچا۔ وہ اب تک شہزادی اٹلیا کو ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگ بنفشی تھا اور اس کے سر کے گرد ایک روشن ہالہ سا بنا ہوا تھا۔ ادتیہ نے ہال کے چکنے کالے ستونوں اور پیتل سے بنی چھت کو بڑے غور سے دیکھا۔ اسی وقت اس کو ماہی پری کا ایک اسٹیچو نظر آیا جو لال کالی دیوار کے پاس دم پر بیٹھی تھی۔ ''کیا کبھی یہ مچھلی پری اصلیت میں رہی ہوگی؟'' ''یہ اب بھی موجود ہے۔ ہمارے سائنس دانوں نے اس کو بنایا ہے۔'' بادل دوست نے کہا ''اور اسے دیکھو یہ ساتر ہے (ایک فرضی دیوتا، آدھا آدمی آدھا بکرا) کسی زمانے میں یہ بھی

موجود تھا۔ ساتر ایک بڑے پیڑ کے تنے سے لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے جنگلی چہرے پر ایک تناؤ تھا اور اس کا ایک کھر ہوا میں اٹھا ہوا تھا۔ ''غالباً یہ ایک تماشا ہوگا۔'' ادتیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہال کی دوسری جانب پرنس اٹلان اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر بارہ کونے کا ایک تاج تھا، جس کے بوجھ سے اس کا چہرہ کسی قدر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اودے رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک شاہی عصا تھا جس کی شکل کچھ کچھ ترشول جیسی تھی۔ ''پوسی ڈان کا شاہی عصا اور شیو کا ترشول، دونوں ایک جیسے لگتے ہیں۔'' ادتیہ نے سوچا۔

پرنس کے بدن پر کوئی زیور نہیں تھا۔ صرف اس کے گلے میں رنگین چمک دار موتیوں کی ایک مالا پڑی تھی۔ ان سب کو دیکھ کر وہ بڑے وقار سے اپنے تخت سے اٹھ کر ان کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر وہی پرخلوص مسکراہٹ تھی جو اس سے پہلے ادتیہ نے شہزادی کے چہرے پر دیکھی تھی۔ پرنس اٹلان بھی اس کو پہلی ہی نظر میں پسند آ گیا۔ ''اچھا! یہ ادتیہ ہے! میں اٹلانٹس میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ ادتیہ نے سر کو خم کر دیا۔

''ایسا مت کرو ادتیہ۔ ہم یہاں رسمی برتاؤ کے لیے اکٹھے نہیں ہوئے ہیں۔ بادل دوست اور کی اس بات کو جانتے ہیں ''مہائس!'' ایک بوڑھا آدمی ہال میں داخل ہو کر بولا۔ ''جی! شہزادے صاحب کیا حکم ہے؟'' کیا میں اس تاج کو اپنے سر سے اتار سکتا ہوں! یہ لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہیں'' ''تاج پہننے والے کا سر ہمیشہ بے چینی محسوس کرتا ہے پرنس!'' بوڑھے نے ایک عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ تم پھر مذاق کر رہے ہو مہائس! میں اپنے موجودہ لباس میں بھی رائل ہی لگتا ہوں۔'' ''اچھا ٹھیک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے بوڑھے نے آہستگی کے ساتھ پرنس کے سر سے تاج کو الگ کر دیا۔ ''بیٹھیے، بیٹھ جائیے!'' پرنس نے ادتیہ سے مخاطب ہو کر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جس کے پائے شیر کے پاؤں سے مشابہ تھے۔ خود پرنس بھی ادتیہ کے سامنے ایک کرسی پر براجمان ہو گیا۔ وہ یہ دیکھ کر مسکرا دیا کہ کی ستونوں کے بیچ میں بار بار ادھر آ جا رہی تھی۔

کی! تم ٹھیک تو ہو نا، اور تمھاری دوسری ساتھی ڈولفنیں کیسی ہیں کی نے اپنا کھیل بند کر دیا اور افسوس بھرے لہجے میں

پرنس اٹلان کو بتایا کہ ان کی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'''' اور یہ میری وجہ سے ہوا'' ادتیہ نے پشیمانی ظاہر کرتے ہوئے کہا ''انکی نے ایک مچھوارے کو ادتیہ کو پکڑنے نہیں دیا لیکن یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اس میں ادتیہ کا کوئی دوش نہیں۔ ڈولفنیں اپنے اصول کے مطابق کام کرتی ہیں'' پرنس نے اپنے گلے کے ہار کو بے خیالی میں گھماتے ہوئے کہا ''بعض وقت ہم ان کو نہیں سمجھ پاتے کیونکہ وہ ہماری امیدوں سے کہیں زیاد نیک اور شریف ہوتی ہیں۔ ان کی اپنی خوشی سے اس دنیا سے گئی۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور کر بھی نہیں سکتی تھی۔'' ادتیہ کا گلا بھر آیا تھا۔ ''خیر اب اس بات کو ختم کرو!'' بادل دوست نے کہا ''اچھا اب میں ہوا میں سانس لینے کے لیے ذرا باہر جاتی ہوں۔ ذرا سی دیر میں واپس آجاؤں گی۔'' یہ کہہ کر کی ایک چھپاکے کے ساتھ ہال سے باہر نکل گئی۔

''اور بادل دوست! تمھاری دنیا کا کیا حال ہے۔'' مجھے افسوس ہے پرنس کہ اس کا حال دن بہ دن خراب ہوتا جارہا ہے۔ جنگل تیزی سے کٹ رہے ہیں۔ بڑی بڑی فیکٹریاں دن رات دھواں اگل کر سارے ماحول کو زہر آلود بنائے دے رہی ہیں۔ شاید کسی دن آسمان کے تارے بھی اس دھوئیں کے پیچھے چھپ جائیں گے۔ الاسکا کے سمندری جیو جنت دھیرے دھیرے غائب ہوتے جارہے ہیں۔'' ''تب تو پھر ہمیں اس مرتبہ الاسکا جانا چاہیے۔ ہماری جیون کرنیں کام پر لگی ہوئی ہیں تاکہ اور بنجر زمین پھر سے کاشتکاری کے قابل بن سکے۔ ہم بیمار درختوں اور جانوروں کو بھی صحت یاب بنا رہے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کافی نہیں ہے۔'' آپ ساری دنیا کے انسانوں میں امید کی کرنیں جگا رہے ہیں پرنس!''

''جہاں تک تمھاری عقابی آنکھیں جاسکتی ہیں میرے بادل دوست! آدمی کے لیے امید ہی امید ہے۔'' پھر ادتیہ سے مخاطب ہوکر پرنس بولا ''نوجوان آدمی! مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں تمھارے بارے میں سننے کا مشتاق ہوں۔''

پرنس نے ادتیہ کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنیں۔ آخر میں اس نے کہا ''کیا کلکتہ میں مرتے ہوئے درخت بہت ہیں؟'' بہت زیادہ پرنس۔ اس لیے کہ وہاں آدمی بے شمار ہیں اور درختوں کے پلنے بڑھنے کی جگہ ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اگر کوئی درخت ذرا بڑھتا بھی ہے تو چمنیوں سے اگلنے والا زہریلا دھواں اس کو کھا جاتا ہے۔'''' ٹھیک ہے میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ زمین پر جہاں بھی ذرا سی جگہ باقی ہو وہاں پیڑ ضرور لگیں اور پھلیں پھولیں۔''

''اچھا ادتیہ! کیا تم ہمارا مینار (پیرامڈ) دیکھنا پسند کرو گے۔ یہ بڑا دلچسپ ہے۔'' کیا یہ برمودا کے اس عجیب وغریب تکونے مینار سے کچھ تعلق رکھتا ہے جس کے بارے میں پاپا نے مجھے بتایا تھا؟'''' بے شک!'' بادل دوست نے کہا۔

برمودا کا تکون مندر

ان لوگوں نے شاہی باغات سے نکل کر ایک بھورے رنگ کے چمک دار کرافٹ (جہاز) پر اپنا سفر شروع کیا۔ کرافٹ کا ایک حصہ اور اس کا فرش آر پار نظر آنے والی کسی دھات سے بنا تھا۔ ادتیہ نے جب نیچے دیکھا تو وہ سرخ رنگ کی مچھلیوں کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ اس کے علاوہ وہاں دریائی گھوڑے بھی تھے جو اپنی دم کے ساتھ پانی میں تیر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کرسٹل کے تاج والے تکونے مینار

(پیرامڈ) والے راستے پر اتر رہے تھے۔ اس کی مضبوط بنیادوں پر سمندری گھاس لپٹی ہوئی تھی۔ کرافٹ کے اترتے وقت ریت اسی طرح اڑ کر پانی کی لہروں میں سما گئی جیسے کہ وہ صحرا کی ریت ہو۔

کرافٹ کے پائلٹ نے انجن کا ایک بٹن دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ بادل دوست وہاں ان کا منتظر تھا۔ اس نے یہ سفر اپنے خاص طریقے سے طے کیا تھا کیونکہ وہ کرافٹ کے بند کمرے میں نہیں سما سکتا تھا۔

''کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصر کے تکونے میناروں کو اٹلانٹس والوں نے بنایا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟'' ادتیہ نے پوچھا ''بالکل! پرنس نے جواب دیا۔ ہم نے اپنے معمار اور پادری دنیا میں ہر جگہ بھیجے تا کہ وہ ہمارا کلچر پھیلا سکیں۔'' ''لیکن آپ نے تکونے مینار بنائے ہی کیوں؟'' تا کہ سورج کی طاقت ہمارے شہروں کو روشن کردے اور لوگ صحت مند رہ کر زندگی بسر کر سکیں۔ ان سے ہوا بھی صاف ہوتی ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ تکونے مینار پاور جنریٹر ہیں۔ ان کی تکونی شکل اِنرجی کو پیدا بھی کرتی ہے اور جمع بھی کرتی ہے۔'' پرنس نے ادتیہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''شاید یہی وہ جگہ ہے جہاں بہت سے جہاز اور ہوائی جہاز غائب ہوجاتے ہیں۔ یہ کیسے ہوتا ہے؟''

کرسٹل کے تاج والی چوٹی، بہت طاقتور مقناطیسی انرجی پیدا کرتی ہے۔ اس کا اثر چیزوں پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ اس لیے سمندری جاندار اس چوٹی کے اردگرد تیرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ کوئی بھی بڑی چیز، جہاز اس کی زد میں آکر ریڈی ایشن انرجی میں بدل جاتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔

''میں نے بھی ایک جہاز کا یہ حشر دیکھا ہے'' بادل دوست نے کہا'' یہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ پہلے ایک چمک دار سبز رنگ کی دھند نے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی چمک دار ہوگیا۔ دھیرے دھیرے جہاز کی شکل بگڑنے لگی اور جہاز کے ڈیک کے کارکن بھی جیسے جمنے لگ گئے۔ تھوڑی دیر تک میں جہاز کا عکس پانی میں دیکھتا رہا۔ اگر چہ یہ بہت دھندلا تھا۔ اس کے بعد پھر جہاز کا کوئی نشان باقی نہیں رہ گیا۔''

''تمھارا مطلب یہ ہے کہ جہاز کا پورا آکار انرجی میں بدل گیا؟'' ''بالکل یہی بات ہے۔'' پرنس اٹلان نے جواب دیا۔

''لیکن خیال کا آکار ہے کہاں؟'' کہاں کا جواب تو میرے پاس نہیں ہے۔ یہ ایک دوسری کائنات ہے۔ جہاں صرف انرجی کے ٹرانسفر سے ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جہاں آدمیوں اور جانوروں کے اچھے برے خیالات، حقیقی دنیا میں پہنچنے کے منتظر رہتے ہیں۔ شاید اس وجہ سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کسی من چاہی چیز کو پانے کا خواب بار بار دیکھتے رہیں تو آخر میں وہ چیز ان کو مل ہی جاتی ہے۔''

''میں اپنے پاپا کو دوبارہ دیکھنے کا سپنا دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بادل دوست کہتا ہے کہ وہاں واپس جانا میرے لیے بے وقوفی کی بات ہوگی۔ کیونکہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے اور مجھ سے چڑیا گھر کے جانوروں کی طرح برتاؤ کریں گے۔ وہ میرے ساتھ ویسا ہی کریں گے جیسے انکی کے ساتھ سفید فام مچھیروں نے کیا تھا۔'' بادل دوست ٹھیک کہتا ہے۔ وہ تمھیں قید کرلیں گے اور تمھارے اوپر طرح طرح کے تجربات کریں گے جس

سے تمھیں بہت نقصان پہنچے گا۔" "لیکن مجھے تو پاپا کو بہت سی باتیں بتانی ہیں۔ ان کو اٹلانٹس کے بارے میں یقین ہے اور وہ ڈولفنوں کی عقل کے بھی قائل ہیں۔ ان سے بات کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ تو نکلنا ہی چاہیے۔" "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمھارا پیغام تمھارے پاپا تک پہنچا دوں گا۔" بادل دوست نے جواب دیا۔ "لیکن وہ تمھاری بات کس طرح سمجھ پائیں گے؟"

"ٹیلی پیتھی کے ذریعے ادتیہ!" "اگر وہ ذرا سا بھی حساس ہیں تو وہ میرے الفاظ سمجھ لیں گے جب میں بارش بن کر ان کی کھڑکی پر برسنے لگوں گا۔ اگر وہ سنیں گے تو سمجھ بھی لیں گے۔" "میرا سپنا بھی کیا ناممکن سپنا ہے کہ میں پاپا کے پاس لوٹ کر نہیں جا سکتا۔" ادتیہ نے اداسی سے کہا۔ "ذرا سوچو اتنے چھوٹے سے سمندری کیڑے پولپ کا سپنا کیسا ہوگا جو مونگے کی چٹان جیسی بڑی چیز بنا لیتا ہے" کی نے اچانک وہاں پہنچ کر ادتیہ سے کہا۔ "ذرا سوچو تو یہ بے حقیقت کیڑا جس کے پاس کام شروع کرنے کے لیے کچھ بھی سامان نہیں۔ (کس طرح ایک پوری چٹان تعمیر کر لیتا ہے۔ پولپ کے پاس بہت اونچے درجے کی تعمیری انرجی ہوتی ہے۔ ان کا ایک گروپ نارنجی رنگ کے کیڑے کھاتا ہے اور دوسرا اودے رنگ کے۔ چونکہ یہ شفاف جسم کے ہوتے ہیں۔ اس لیے رنگ کو بطور غذا استعمال کرتے ہیں۔ پولپ اپنے شکار کو زندہ ہی نگل لیتے ہیں اور وہ ان کے پیٹ میں بڑھتے رہتے ہیں پھر وہ ان کو ہضم کر لیتے ہیں۔ جب کوئی پولپ مر جاتا ہے تو اس کا نارنجی یا اودا ڈھانچہ، مونگے کی چٹان بننے کے کام میں اپنے آپ استعمال ہو جاتا ہے۔" کی نے ادتیہ کو بتایا۔ پرنس نے بھی ادتیہ کے سر کو چھوتے ہوئے کہا کہ "ادتیہ! کوئی بھی خواب ناممکن نہیں ہوتا۔"

کیڑوں کے پودے

دوسری صبح کو شہزادی اٹلیا، ادتیہ کو اپنے گرین ہاؤس میں

لے گئی جہاں انھوں نے سمندری گائے کے دودھ، گھونگھے اور دوسری سمندری غذاؤں سے ناشتا کیا۔ اس وقت ہوا بڑی خوشگوار تھی اور اس میں ایسی تتلیاں اور پھول اڑ رہے تھے جن کو ادتیہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شہزادی کے ساتھ ناشتہ کرنے سے ادتیہ کی جھجک کم ہوگئی تھی لیکن وہ پھر بھی اس کے خوب صورت چہرے سے نظریں ہٹا کر درختوں کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ ''اچھا تو یہی وہ تتلیاں اور جھنجیریاں ہیں جن کو میں نے شیشے کے پار سے دیکھا تھا۔ سارے پودے ان سے ڈھکے ہوئے ہیں۔''

''یہ کیڑوں کے پودے ہیں اور پرانے اٹلانٹس کے زمانے سے محفوظ ہیں۔ ان کے کھلنے کا عمل بڑا دلچسپ ہے۔ پہلے ان کے بازو پتیوں میں پھڑ پھڑائیں گے پھر ان کے نازک پاؤں آزاد ہونے کی کوشش کریں گے اور اچانک یہ ہوا میں اڑنے لگیں گے۔''

''تمھارا مطلب ہے کہ تتلیاں اور ڈریگن فلائی انھی پودوں کا ایک حصہ ہیں؟''

''یوں سمجھو کہ یہ ان پودوں کا ثمر ہیں۔'' آؤ میں تمھیں دکھاؤں!'' شہزادی نے پہلے اسے ڈریگن فلائی پودا دکھایا۔ یہ ایک گروپ کی صورت میں تالاب کے گرد اگے ہوئے تھے۔ ان کی پتیاں انگور کی پتیوں کی شکل کی تھیں لیکن ان کی نسیں زیادہ ابھری ہوئی تھیں۔ ان کے تنے اودے رنگ کے تھے اور ان کی پتیاں دراصل ڈریگن فلائی کے بازو تھے۔ پھر شہزادی نے ادتیہ کو ایک کیپسول جیسی چیز دکھائی اور کہا کہ اس میں اس پودے کے بیج ہیں۔ پھر ایک لمبے انٹینا کو دکھاتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ پودا خود اپنے اندرونی عمل سے نئے پودے پیدا کر دیتا ہے۔

''یہ تو بالکل ناممکن سا معلوم ہوتا ہے'' ادتیہ نے کہا۔ وہ اس خوبصورت کیڑے کو تالاب کے اوپر اپنے شفاف بازوؤں کو تیزی سے پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شاید یہ کیڑا بھی ان میں سے ایک ہے جو 35 سے 60 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتے ہیں۔

''ہاں! اور تم جانتے ہو کہ 300 کروڑ سال پہلے یہ مہین کیڑے، کوؤں کے برابر کے تھے۔ ان کی آنکھیں دیکھو کتنی بڑی بڑی ہیں۔''

شہزادی اٹلیا نے بڑے رسان سے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کی ایک آنکھ ہزاروں چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مل کر بنی ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ مہین مہین کیڑے کون سی غذا کھاتے ہیں؟'' ''تالاب کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں، مینڈک کے بچے اور مٹر کی پتیاں۔''

''مٹر کی پتیاں؟'' ''ہاں! شہزادی نے ایک پودے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس میں جو چھوٹے چھوٹے پھل لگے ہیں، وہ مٹر کی طرح ہیں۔ لیکن دراصل ان میں ان پودوں کے انڈے بند ہوتے ہیں۔'' ''یہ تو بالکل مٹر کی پھلی معلوم ہوتی ہے۔'' ادتیہ بولا۔

''بالکل ٹھیک لیکن اس سے بھی زیادہ عجیب تتلیوں کا پیڑ ہے۔ اسی وقت ایک پھل جیسی چیز کا منہ کھل گیا اور اس میں سے ایک تتلی اڑ کر ایک پتی پر بیٹھ گئی۔ جب اس کے نیلے رنگ کے پر سوکھ گئے تو وہ ہوا میں اڑنے لگی۔ ''یہ سب کیسے ہوا؟ کیا یہ آپ کے سائنس دانوں کا کرشمہ ہے؟'' ادتیہ نے پوچھا۔ اٹلانٹس میں ہمیشہ ہی سے ایسا تھا۔ مہائس مجھے پرانے زمانوں کے بارے میں دل چسپ باتیں بتایا کرتا ہے۔ اس نے مجھے

ان لکڑیوں کی کہانی سنائی جو جھلی میں لپٹی ہوتی ہیں اور پتیوں، پھولوں اور مکوڑوں کی تصویریں اس جھلی پر بن لیتی ہیں۔ اس نے تارا کے درختوں کے بارے میں بھی بتایا جس کے پھول تاروں کی مانند چمکتے ہیں اور ایسے پیڑوں کے بارے میں بھی بتایا جس کی شاخوں پر لوگوں نے مکان بنا لیے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ شاہی باغات کے دوسری طرف ایک بھول بھلیاں تھی جس کے بیچ میں ایک تالاب تھا۔ اس تالاب میں امر پھول پیدا ہوتے تھے لیکن یہ پھول شاید ہی کسی کو ملے ہوں۔ اس کے بعد ٹھیک سے دیکھ بھال نہ ہونے سے ختم ہو گیا۔'' ''اچھا! میں سمجھتا ہوں کہ مہائس یہاں کا سب سے زیادہ عمر دراز آدمی ہے۔ وہ پھر سے اپنی جوانی کیوں نہیں حاصل کر لیتا۔''

میرے بھائی نے ان کو یہ مشورہ کئی بار دیا لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی پوری زندگی جی چکا اور اب دوبارہ جوان ہونا نہیں چاہتا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چاہوں تو دوبارہ جوان ہو سکتا ہوں لیکن اپنی یادداشت کو ختم نہیں کر پاؤں گا۔ دراصل مہائس کی زندگی دکھی زندگی رہی ہے۔ ان کے لیے دوبارہ جینا گویا کسی پڑھی ہوئی کتاب کو دوبارہ پڑھنا ہے۔ جب تم جانتے ہو کہ آگے اس کتاب میں کیا لکھا ہے تو اس کو پڑھنے سے کیا فائدہ!'' میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم مجھے اس بڑے پیڑ کے بارے میں بتاؤ جس کی شاخوں پر لوگوں نے مکانات بنوا لیے تھے۔'' مہائس کہتے ہیں کہ اس پیڑ کی شاخیں اتنی دبیز تھیں کہ سڑک کا کام کرتی تھیں۔ چوں کہ یہ قدرتی سڑکیں ہر طرف پانی سے گھری ہوئی تھیں اس لیے درخت کے پاس چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر راستہ کراس کرتے تھے۔ یہ لوگ خود کو بہت بلند مرتبہ سمجھتے تھے۔ اس لیے اٹلانٹس کے دوسرے باشندوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے۔ انھیں اپنے اس پیڑ پر بھی بڑا فخر تھا جو ان کے کہنے کے حساب سے بیس ہزار سال پرانا تھا۔ وہ اس کی شاخوں پر باغات تک لگا لیتے تھے۔ جلد ہی وہ ایسے خود کفیل ہو گئے کہ انھوں نے زمین پر جانا ہی بند کر دیا لیکن وہاں اگنس بھی تھی جو تالاب میں جا کر امر پھول تلاش کرتی تھی۔'' ''کیا وہ اسے مل گیا۔''

ادتیہ نے کچھ تتلیوں کو دیکھا جو پرنس اٹلان کے سنہرے بالوں کے گرد ایک زنجیر بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ ''اگنس نے وہ پھول تو پا لیا لیکن وہ تالاب سے نکل نہیں سکی اور وہیں مر کھپ گئی۔'' ''کیا اس نے واپسی کے راستے پر کچھ نشانات نہیں چھوڑے تھے؟''

''دانوں کی شکل میں چھوڑے تھے لیکن چڑیاں ان دانوں کو کھا گئیں کیونکہ وہ اگنس سے خار کھاتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ اگنس ان کو ورغلا کر اپنا شکار بنا لیتی تھی۔'' اس بیچ شہزادی اٹلیا تتلی پودوں پر جھک کر ان سے باتیں کرنے لگی۔ ادتیہ نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا تم واقعی پودوں سے باتیں کر رہی ہو؟'' ہاں! اس سے ان کی بڑھوتری اچھی ہوتی ہے۔'' شہزادی نے جواب دیا'' ہماری دنیا میں بھی کچھ لوگ اس بات کو مانتے ہیں لیکن پھر بھی وہ پودوں سے باتیں نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز بات کرنے پر جواب نہ دے سکے اس سے باتیں کرنا سراسر نادانی ہے۔ لیکن پودے ہمیشہ جواب دیتے ہیں۔

■

ماخذ: اُدتیہ - سمندری لڑکا، مصنف: انیتا سرن، مصور: سُبیر رائے، مترجم: نامی انصاری، ناشران: (1) چلڈرن بک ٹرسٹ (2) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (3) بچوں کا ادبی ٹرسٹ

م۔ ندیم (علیگ)

پیڑ کے سچے دوست

یہ ایک لوک کتھا ہے جو جنوبی ہندوستان سے متعلق ہے اور ایک گھنے جنگلوں والے علاقے کی کہانی ہے۔اس جنگل میں دور دور تک پیڑ ہی پیڑ نظر آتے ہیں۔بعض پیڑ تو بہت اونچے ہیں۔یہ جنگل بہت ہرا بھرا ہے۔اس میں ہر قسم کے جانور پائے جاتے ہیں اور قسم قسم کے پرندے پیڑوں پر رہتے ہیں۔جنگلی جانوروں کو بارہ مہینے پیٹ بھرنے کے لیے چارا مل جاتا ہے اور پرندوں کو بھی پھل پھول مل جاتے ہیں۔پرندوں کی سریلی آواز سے سارا جنگل گونجتا رہتا ہے۔

بہت دنوں پہلے کی بات ہے کہ جنگل میں آگ لگ گئی۔ دھیرے دھیرے یہ آگ سارے جنگل میں پھیل گئی۔جنگل میں رہنے والے جانور اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنے لگے۔ ہاتھی، ہرن، بھیڑیے، جنگلی کتے، ریچھ، خرگوش وغیرہ سب ایک ساتھ گھبرا کر بھاگ رہے تھے۔سب کو اپنی اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ جب زندگی خطرے میں ہوتی ہے تو دشمنی بھلا دی جاتی ہے اور سب کو اپنی اپنی جان کی فکر ہوتی ہے۔یہی حال اس وقت تھا۔جنگل کے سارے جانور آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے سارا جنگل خالی ہوگیا۔

ایک بوڑھے پیڑ پر طرح طرح کے پرندوں کا بسیرا تھا اور ان کے گھونسلے تھے۔جب آگ اس پیڑ کے قریب آ پہنچی تو پیڑ نے چلا کر پرندوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

میرے دوستو جلدی سے اڑ کر محفوظ جگہ چلے جاؤ۔آگ بہت تیزی سے ادھر آ رہی ہے، وہ مجھے تو جلا دے گی لیکن تم اپنے آپ کو بچاؤ۔

مگر پرندے نہیں اڑے اور پیڑ سے کہا:

”اے ہمارے پیارے دوست، ہم اور ہمارے باپ دادا نے یہاں ساری زندگی بتائی اور ہم بھی رہ رہے ہیں۔اب اس مصیبت کی گھڑی میں تم کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

پیڑ نے بہت التجا کی اور کہا ”میرے پیارے دوستو تم میری فکر نہ کرو۔اپنا اور اپنے بچوں کا خیال کرو اور جلدی سے اڑ جاؤ۔آگ میرے جسم تک پہنچ گئی ہے وہ تم کو جلا ڈالے گی!“

مگر پرندے بیٹھے رہے اور پیڑ کے ساتھ جل کر مر گئے اور اس طرح پرندوں اور پیڑ کی دوستی کی ایک مثال ہمارے لیے چھوڑ گئے۔

■

Meem Nadeem (Alig)
4/1706, Mozammil Compound
Civil Lines
Aligarh - 202002 (UP)

چمن چمن کے پھول

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

(امیر مینائی)

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

(آغا جان عیش دہلوی)

کن مراحل سے گزرتے ہیں اسیرانِ ستم
رات زنداں میں تو مقتل میں سحر ہوتی ہے

(سکندر علی وجد)

خط ان کا بہت خوب، عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

(داغ دہلوی)

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

(محمود رامپوری)

وہ علم ہو یا شاعری، وہ فقر ہو یا سروری
ہم جس قدر جھکتے گئے، قد اور بھی اونچا ہوا

(سید امین اشرف)

ٹوٹ کر کتنوں کو مجروح یہ کرسکتا ہے
سنگ، تونے ابھی دیکھا نہیں شیشے کا جگر

(کرامت علی کرامت)

قیادت اپنی اپنی کرسیوں پر جم کے بیٹھی ہے
ہمارے ملک کی بے لوث خدمت کون کرتا ہے

(صلاح الدین نیر)

کسی پیاسے کی قاسم بددعا ہے
سمندر ہوکے پانی مانگتا ہے

(قاسم رائے پوری)

دیکھتا ہوں تو نہیں رحم کے قابل کوئی
سوچتا ہوں تو ہزاروں پہ ترس آتا ہے

(عبید اعظم اعظمی)

اجنبی لوگوں کے پیچھے دوڑنا
اور پھر کہنا کہ دھوکہ ہوگیا

(طاہر فراز)

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ
سن رکھو فسانہ ہیں ہم لوگ

(منتظر)

اے صنم وصل کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

(مرزا رضا برق)

شہہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

(عظیم بیگ عظیم)

شبیر احمد میر

سو بار میرا سر وہ جھکاتا چلا گیا
احسان ایک بار جو کم ظرف نے کیا
(رفیق شاکر)

میں خوش ہوں اپنے پسینے کی چند بوندوں پر
مرا خدا مجھے رزقِ حلال دیتا ہے
(نذیر فتح پوری)

نیند آہی گئی بے سایہ شجر کے نیچے
ہاتھ پتھر کی جگہ رکھ لیا سر کے نیچے
(آغا سروش)

چیتھڑوں میں چین سے سوتے تھے ہم
لے گیا دل کا سکوں بستر نیا
(زین الدین کیف)

ساحل کے سکوں سے کسے انکار ہے لیکن
طوفاں سے لڑنے میں مزا اور ہی کچھ ہے
(آل احمد سرور)

وہ دریا بن کے بہتا تھا تو کتنا شور کرتا تھا
سمندر میں وہ جب سے آملا خاموش رہتا ہے
(خالد سہیل)

اختر اس آدمی کی پرستش کیا کرو
جو دوسروں کے پاؤں کا کانٹا نکال دے
(اختر شاہجہاں پوری)

■

ماخذ: باغِ سخن، **مولف:** ڈاکٹر الف انصاری

اقوال حضرت علیؓ

1. انسانیت بہت بڑا خزانہ ہے، اسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کرو۔
2. جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے کہ سچ بول کر ہار جاؤ۔
3. ہر عمل سوچ سمجھ کر کرو کیونکہ ہر عمل کے اندر اس کا انجام یوں چھپا ہوتا ہے جیسے بیج کے اندر درخت۔
4. جو ذرا سی بات پر دوست نہ رہے سمجھ لینا وہ کبھی دوست تھا ہی نہیں۔
5. صبر کی دو صورتیں ہیں، جو نہ پسند ہو اسے برداشت کرنا اور جو پسند ہو اس کا انتظار کرنا۔
6. گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔
7. کسی کے ایمان کا اندازہ اس کے وعدوں سے لگاؤ۔
8. غلط بات پر غصہ آجانا شرافت کی نشانی ہے لیکن اسی غصے کو پی جانا مومن کی نشانی ہے۔
9. اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔
10. موت کو ہمیشہ یاد رکھو مگر موت کی آرزو کبھی مت کرو۔

■

Shabbir Ahmad Mir
Repora, Lar, GBL
Kashmir - 191131

کہکشاں

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھ لیں کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

مہک جاوید کھٹک، ژیڈ پی اردو اسکول
سبھاش نگر، شیر پور، دھولیہ، مہاراشٹر

اقرا شیخ عابد، درجہ ششم، ژیڈ پی اردو اسکول، سبھاش نگر، شیر پور، دھولے، مہاراشٹر

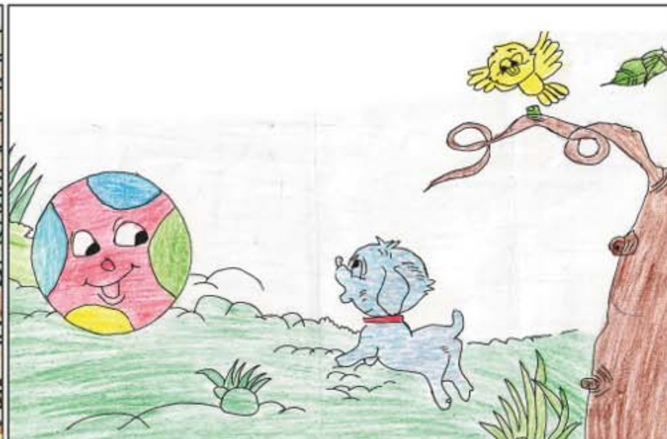

انجم شیخ مظفر، درجہ ہفتم، ضلع پریشد، اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور، مہاراشٹر

ماریہ شیخ اشفاق، درجہ ہشتم، ژیڈ پی اردو اسکول
سبھاش نگر، شیر پور، دھولے، مہاراشٹر

ام حبیبہ کوتوال عقیل احمد، کوتوال، بیل ہونگل، کرناٹک

عالیہ رئیس، درجہ ہشتم، سبھاش نگر، اردو اسکول، شیر پور، دھولیہ، مہاراشٹر

اویس احمد عقیل احمد، درجہ سوم، جی آئی ایس، ایچ پی ایس نمبر 2 اسکول، بیل ہونگل، کرناٹک

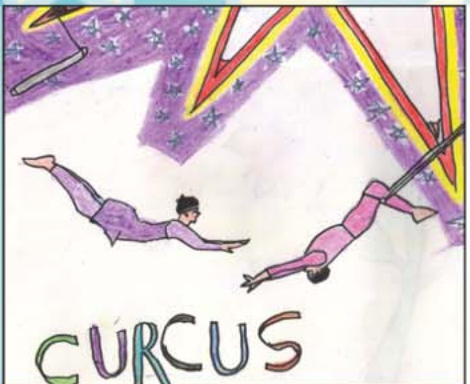

مومن حامد رضا سلیم اطہر، درجہ ششم A
سرسید پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

نغمہ پروین، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول
نیم گاؤں، ناندورہ، مہاراشٹر

منظمہ صدف آصف اقبال، دھولیہ، مہاراشٹر

سارا خان، درجہ دوم، ملی ماڈل اسکول، نئی دہلی

بیہ شرمین شیخ کمال، ژیڈ پی اردو گرل اسکول نمبر 1، فیض پور، تعلقہ یاول، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

لفظ (کچھ نظمیں اور غزلیں)

مصنف: آل احمد سرور

دوسری طباعت: 2019

صفحات: 95

قیمت: 70 روپے

عام لسانیات

مصنف: پروفیسر گیان چند جین

تیسری طباعت: 2019

صفحات: 910

قیمت: 395 روپے

کہکشاں (اقبال کے بعد نظمیہ شاعری)

مصنف: وارث علوی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 527

قیمت: 240 روپے

صحت الفاظ

مصنف: سید بدرالحسن

ساتویں طباعت: 2019

صفحات: 253

قیمت: 90 روپے

مثنوی مولانا روم (جلد اوّل، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم)

مترجم: سید احمد ایثار

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 223 (جلد اوّل)، 191 (دوم)، 251 (سوم)، 200 (چہارم) 238 (پنجم)، 256 (ششم)

قیمت: 780 روپے (فی سیٹ)

مولانا ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ

مرتب: پروفیسر عبدالستار دلوی

دوسری طباعت: 2019

صفحات: 474

قیمت: 215 روپے

کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی

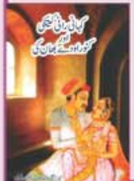

مصنف: میر انشاء اللہ خاں انشا دہلوی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 30

قیمت: 35 روپے

قطبی علاقے کیا ہیں؟

مصنف: ہابانون

اردو مترجم: انیس الحسن صدیقی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 20

قیمت: 20 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066-

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2020 Vol. 08, Issue: 05
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/04/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

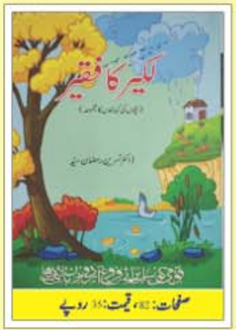

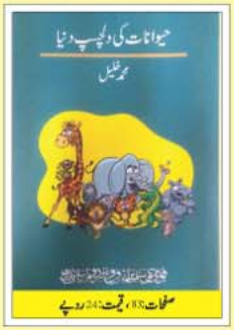

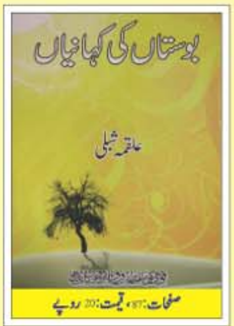

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.